مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماہنامہ _____ لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ- 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ طلوع اسلام	2
رب زدنی علما	ایاز حسین انصاری (کراچی)	5
ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (لاہور)	11
تعلیم سے کیا حاصل!	محمد اسلم صابر (بوریوالہ)	17
ہماری معاشی بیماریوں کا علاج	سکندر علی عباسی	19
میں نے قرآن سے کیا سیکھا؟	محمد عارف ذوالقرنین (جھنگ)	25
تکلف برطرف	منظور احمد خان (ناروے)	28
حقائق و عبر	ادارہ طلوع اسلام	37
بزم طلوع اسلام راولپنڈی	مظہر الحق (راولپنڈی)	41
تاریخی شعور	ملک حنیف وجدانی	56
This is March 1996!	محترمہ شمیم انور (لاہور)	63
Book Review (THE HOLY QURAN AND OUR DAILY LIFE)	ادارہ طلوع اسلام	64

انتظامیہ:- چیئرمین: ایاز حسین انصاری - ناظم: محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری - مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار- محمد عمر دراز- ڈاکٹر صلاح الدین اکبر-
ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں
طابع: خالد منصور نسیم - مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور-
مقام اشاعت: B-25 گلبرگ 2 لاہور- 54660

جلد 49 | شمارہ 3 | مارچ 1996ء

فی پرچہ =/10 روپے

بدل اشتراک

اندرون ملک سالانہ 120 روپے

ایشیا' افریقہ' یورپ 550 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 750 روپے

دوسری جگہ ہے :

"اے ایمان والو ! اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا ہمراز اور معتمد نہ بناؤ- یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے- وہ ہمیشہ تمہاری ضرر رسانی کی تمنا رکھتے ہیں- بعض منصوبے تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جس قدر ان کے دل میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے..... اگر کہیں تمہارے بھلے کی کوئی بات ہو جائے تو وہ ان کے لئے غم کا موجب بن جاتی ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں- لہٰذا اگر تم ثابت قدم رہو اور ان کی طرف سے اپنی حفاظت کرتے رہو تو پھر ان لوگوں کی تدبیریں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی-" (3/119-117)

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہم میں اسلام کی کوئی بات باقی نہیں رہی لیکن اسلام سے خالی نسبت بھی ہمارا اتنا بڑا جرم ہے جس کی بنا پر دنیا کا کوئی غیر مسلم کبھی ہمارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا- مسلمانوں کی چودہ سو سال کی تاریخ اس پر شاہد ہے- تقسیم ہند سے پہلے ہندوؤں کی طرف سے جو برتاؤ ہمارے ساتھ ہوتا رہا وہ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے- تقسیم ہند کے بعد جو کچھ ان کی طرف سے ہوتا چلا آرہا ہے اسے اندھوں نے بھی دیکھا اور بہروں نے بھی سنا ہے- آپ اس اڑتالیس سالہ زندگی پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کو اس ہمسایہ قوم میں شرف انسانیت کی کوئی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے؟ اس کے برعکس وعدہ خلافی' دروغ بافی' کذب تراشی' افترا پردازی کی کوئی شق بھی ایسی ہے جسے انہوں نے آپ کے خلاف اختیار نہ کیا ہو؟ دراز دستی' سلب و نہب' لوٹ کھسوٹ کی کوئی نہج ایسی ہے جس کا مظاہرہ ان کی طرف سے نہ ہو چکا ہو؟ معاہدات شکنی- بین الاقوامی قوانین سے سرکشی' حقوق ہمسائیگی کی حدود فراموشی' فیصل شدہ معاملات کی خلاف ورزی کی کوئی صنف ایسی ہے جو ان کی طرف سے عمل میں نہ لائی جا چکی ہو؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قتل و غارت گری تباہی اور بربادی' عصمت دری اور عفت ربودگی' مسلم کشی اور انسانیت سوزی کی کوئی داستان ایسی ہے جو ان کے سیاہ کارناموں کے سامنے ماند نہ پڑ چکی ہو؟ یہ اس لئے کہ خود حکومت ہندوستان کے وزیر تعلیم' ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں (جو انہوں نے اس زمانے میں لکھے تھے جب ان کی حق گوئی پر سیاسی مصلحتوں کا پردا نہیں پڑا تھا-)

"کفار' واقعات کو جھٹلاتے ہیں' حقیقت حال کو جھٹلاتے ہیں' اصلیت کو چھپاتے ہیں' ماجرائے وقوع کو غلط بتاتے ہیں' نقص امن کرتے ہیں اور اسے جان بخشی دکھاتے ہیں- بات کچھ اور ہوتی ہے مگر اپنی بات کی پچ میں پبلک کو کچھ اور جتاتے ہیں ان کے عہد و پیمان کا تمہیں بارہا تجربہ ہو چکا ہے- وہ آبرو باختہ ہیں عزت نفس اور شرف ذات کا انہیں لحاظ تک نہیں- قسمیں کھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے' اس میں دوام و استمرار ہے- یہ وعدہ محکم ہے' یہ قول و اقرار قانونی حیثیت رکھتا ہے' زبانی سب کچھ کہتے ہیں اور ہاتھ سے کام لیتے وقت کچھ بھی یاد نہیں رکھتے- اسلام اپنے فرزندوں کو پکار پکار کر کہتا ہے کہ خبردار یہ قسمیں کھانے والے ذلیل ہیں' ان کے حلف پر نہ جانا' یہ ادھر کی بات ادھر لگاتے ہیں' منع خیر کے لئے نہایت مبالغہ کے ساتھ آمادہ رہتے ہیں- تعدی ان کا شیوہ ہے- تطاول ان کی عادت ہے- سرکشی ان کی خو ہے- پاس عزت نہ رکھنے'

نا... کی نگہداشت نہ ضروری سمجھنے کی وجہ سے ان کی تواصل تک محفوظ نہیں۔" (الہلال بابت ... ت 1913ء)

یہ ہے وہ شہادت جو اسلام اور مسلمانوں کے ان دشمنوں کے متعلق ابوالکلام صاحب آزاد کی طرف سے پیش ہوئی ہے۔ آپ ذرا سوچئے کہ قرآن کے ان حقائق اور تاریخ کے ان شواہد کی موجودگی میں اور اس کے بعد خود اس تجربہ کے پیش نظر جو ان کی طرف سے ہمیں ذاتی طور پر ہو چکا ہے' ان پر کسی معاملہ میں دوستانہ بھروسہ کرنا خود فریبی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد سوال یہ پیدا ہو گا کہ ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہو۔ قرآن ہمیں یہ کہتا ہے کہ فریق مخالف کے ساتھ تعلقات معاہدہ کی رو سے قائم ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ جو لوگ اخلاقی اقدار کو کوئی وقعت نہیں دیتے ان کے نزدیک معاہدہ کی بھی کچھ حیثیت نہیں ہوتی۔ سولن کے الفاظ میں' معاہدہ مکڑی کا جالا ہوتا ہے جو اپنے سے طاقتور کے سامنے تار عنکبوت کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اپنے سے کمزور کو بڑی آسانی سے پھانس لیتا ہے۔ اس لئے قرآن اس پر زور دیتا ہے کہ تمہارے اپنے اندر اتنی قوت ہونی چاہئے کہ فریق مخالف معاہدہ شکنی کی جرات ہی نہ کر سکے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری سرحدیں اس قدر مضبوط ہونی چاہیں جن سے دشمن کے دل دہل جائیں۔ لہٰذا ہمیں ہندوستان یا کسی دوسرے ملک سے معاہدہ کرنے سے پہلے اپنے اندر وہ طاقت پیدا کرنی چاہئے جو استواری عہد کی ضامن بن سکے۔ لہٰذا ہندوستان کے ساتھ کسی قسم کے معاہدات کے متعلق اس وقت تک ہمیں سوچنا بھی نہیں چاہئے جب تک ہم اگنی اور پرتھوی میزائل کا توڑ پیدا نہ کر لیں۔

ہم نے اپنے آئین میں اس امر کی صراحت کی ہے کہ مملکت پاکستانیہ کا جملہ کاروبار ان حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے گا جو خدا کی طرف سے متعین کی گئی ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی جو حدود خدائے تعالیٰ نے مقرر کی ہیں انہیں ہم نے بصراحت درج کر دیا ہے لہٰذا ہندوؤں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں ان حدود کی پابندی اب ہماری مملکت کا آئینی فریضہ بھی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ارباب بست و کشاد اس سمت میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس امر کا اطمینان کر لیں گے کہ وہ ان حدود سے ٹکراتا نہیں۔ یہی ہمارے ایمان کا تقاضا اور آئین کا مطالبہ ہے۔

بھارت کے درجنوں اعلیٰ فوجی افسر دل کے مریض بن گئے

7 لیفٹننٹ جنرل اور 11 میجر جنرل امراض قلب میں مبتلا ہیں، 7 کو ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے

بریگیڈیئر عہدے سے اوپر کے 20 فیصد موٹے افسروں کو بھی بیماری کا خطرہ ہے، تمباکو اور شراب خوب پیتے ہیں

بیماری کے باوجود بعض افسر اہم علاقائی کمانوں اور فوجی کوروں کے انچارج ہیں: بی بی سی کی رپورٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری (کراچی)

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

علم کی دنیا میں حکمائے یونان کے مقام سے کون واقف نہ ہو گا۔ نزولِ قرآن سے قبل یونان علم و فکر کا گہوارہ تھا۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، زینو وغیرہ بلند پائے کے مفکر مانے جاتے تھے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ :

"سقراط کی توجہ صرف عالم انسانیت پر تھی۔ نباتات اور حشرات یا ستاروں کی دنیا وغیرہ پر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔"

"افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت ہی رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کائنات سے متعلق یہ تصور پیش کیا کہ یہ محسوس کائنات دراصل موجود ہی نہیں۔ یہ محض سایہ ہے اس حقیقی کائنات کا جو عالمِ امثال میں ہے۔ لہٰذا وجود اصل شے کا ہے سایہ کا نہیں۔ زینو کا بھی یہ ہی خیال تھا۔"

"ارسطو کے عقائد تھے کہ عورت کے منہ میں اٹھائیس اور مرد کے منہ میں بتیس دانت ہوتے ہیں۔ دل صرف انسان کا حرکت کرتا ہے حیوانات کا نہیں۔ انڈہ سمندر میں تیرتا ہے۔ راجر بیکن کی رائے کے مطابق ارسطو کی کتابیں جلانے کے قابل ہیں۔"

"یونانی حکما کا سارا زور فطری مسائل پر تھا۔ ان مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے وہ اپنی فکر گاہوں میں محو رہتے تھے اور یہ نظریات صرف وہم، خیال اور قیاس پر مبنی تھے جن کا مشاہدات (Observations) اور تجربات (Experiments) کی دنیا سے کچھ تعلق نہ تھا ارسطو کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے وہ اگر صرف ایک بیوی کے بھی دانت گن کر دیکھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ عورت کے منہ میں بھی بتیس دانت ہی ہوتے ہیں۔ انہوں نے اتنا چھوٹا تجربہ کرنے کی بھی کوشش نہ کی۔"

"یونانی مفکروں نے کائنات کے متعلق جو تصور دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اس تصور سے ذہنِ انسانی حیران و سرگردان رہ جاتا ہے۔ یہ تصور انسانیت کو مفلوج بنا دینے کا موجب بنا لیکن یہ کچھ بھی پہلی صدی (ق۔ م) سے پہلے پہلے ہو گزرا۔ یونانی علم و حکمت کی شمع (31 ق۔ م) میں بجھ گئی۔"

ظاہر ہے کہ حقائق کے بجائے صرف نظریات کی بنا اور قوت پر نہ کوئی پائیدار تمدن قائم ہو سکتا تھا نہ ہو سکا اور نہ ہی انسان کائناتی قوتوں کو مسخر کر سکا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دور دراصل قبل سائنس کا دور تھا۔ سائنس کا علم تو حاصل ہی ہوتا ہے کائنات پر غور و فکر کرنے سے۔ اگر کائنات کو تسلیم ہی نہ کیا جائے تو اس کا علم حاصل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ بری فالٹ اپنی کتاب The Making of Humanity میں ایسی شہادت پیش کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "..... جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں دنیائے قدیم کو عہد قبل از سائنس کی دنیا تصور کرنا چاہئے"۔ (ص 190)

اگر ان بلند ذہن رکھنے والے مفکروں کا زاویہ

اگر درست ہوتا تو انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کر لے اس قدر قوت و ثروت حاصل کر چکا ہوتا۔ مگر ان کی غلط نگہی کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اس کے بعد قرآن آیا اور اس نے کائنات کی تخلیقی ترتیب پر غور و فکر کی ترغیب دی اور واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ کائنات نہ صرف برحق اور موجود ہے بلکہ اس کی کوئی شے بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ قرآن کریم کے الفاظ میں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا.... (38:27)

"ارض و سماوات اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے ہم نے باطل کے طور پیدا نہیں کیا۔ یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں۔"

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ (29:44)

"اللہ تعالیٰ نے ارض و سمٰوات کو بالحق پیدا کیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی بڑی نشانیاں ہیں جو وحی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں۔"

قرآن مجید نے ہواؤں کے مسلسل تغیر اور تبدل، دن رات کی گردش، بادلوں سے برستے پانی، فصلوں، پھلوں کی مختلف اقسام، پہاڑوں میں مختلف رنگوں، حیوانات کی مختلف انواع کا مشاہدہ کرنے کی دعوت دی اور واضح کر دیا کہ ان شواہد پر علم و بصیرت سے غور کرنے والے ہی علماء کہلانے کے مستحق ہیں۔ (35:27/28)۔

قرآن کریم نے علم کی تعریف کچھ یوں بیان کی ہے۔

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (17:36)

"اور یاد رکھو جس بات کا تمہیں علم نہ ہو (اور جس کی تحقیق نہ کر لو)، اس کے پیچھے مت لگو۔ (ذاتی تحقیق کی معنی یہ ہیں کہ) تم اپنی سماعت و بصارت اور حواس کے ذریعے معلومات حاصل کرو، پھر، ان معلومات کی بنا پر، اپنے ذہن سے فیصلہ کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچو۔ ان میں سے ایک کڑی بھی گم ہو گئی تو تمہاری تحقیق ناقص رہ جائیگی۔ سوچو کہ اس باب میں تم پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے (اس لئے کہ خدا نے تمہیں صاحب اختیار و ارادہ بنایا ہے مجبور مشین نہیں بنایا۔ یہی نہیں بلکہ اس اختیار کے استعمال کے لئے ذرائع علم و تحقیق بھی عطا کئے۔ ان ذرائع سے کام نہ لینے والا اپنی ذمہ داری سے جی چراتا ہے)

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے حیوانوں سے بھی بدتر ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

"انسانوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ--- مہذب اقوام ہوں یا جاہل بادیہ نشین۔ وہ زندگی جہنم میں گزارتے ہیں۔ یعنی سینے میں دل رکھتے ہیں، لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں، بالکل حیوان ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی راہ گم کردہ (اس لئے کہ حیوان کم از کم اپنے جبلی تقاضوں کے مطابق تو چلتے ہیں۔ اور اس قسم کے انسان ان حدود سے بھی) بے خبر رہتے ہیں۔ (مفہوم آیت 179 سورۃ الاعراف)

اس کے برعکس عقل سے کام لینے والوں کو

مومن کہا گیا ہے:

"چنانچہ خدا کے قانون مکافات کے مطابق ایسی قوموں پر سخت تباہی آجاتی ہے (جو قوانین خداوندی کو چھوڑ کر ان کی جگہ اپنے قوانین وضع کرنے لگ جائیں)۔ لہٰذا، اے عقل و خرد سے کام لینے والو! یعنی وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہو، تم ہمیشہ خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ اس مقصد کے لئے خدا نے تمہاری طرف ضابطہ قوانین نازل کیا ہے۔" (مفہوم آیت 9/10 سورہ الطلاق)

انسان کو مخلوقات میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ وہ صاحب اختیار ہے۔ یہ اختیار و ارادہ کی قوت انسان کے علاوہ کسی اور چیز کو حاصل نہیں۔ خدا نے اشیائے کائنات اور کائناتی قوتوں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ پھر وہ ان سے جو چاہے کام لے سکتا ہے اور وہ ان سے مختلف فائدے اٹھاتا ہے۔ انسان کو یہ شرف اس لئے حاصل ہے کہ انسان میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (2:31)

"آدم کو تمام اشیائے کائنات کے اسماء سکھا دیئے"

یہاں آدم سے مراد آدمی یعنی انسان ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان میں اشیائے کائنات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ اشیائے کائنات کے نام وہ ہی قائم کر سکتا ہے جو اس چیز کے خصوصیت، کیفیت، ماہیت وغیرہ کے متعلق معین واضح اور قطعی علم رکھتا ہو۔

خدا نے کائناتی قوتوں اور ہر چیز جو کائنات کی پستیوں و بلندیوں میں موجود ہے کو قوانین کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے اور وہ ایک لگے بندھے قانون کے مطابق چل رہی ہے تاکہ انسان ان قوانین کا علم حاصل کر کے ان اشیائے کو مسخر کر سکے اور ان سے اپنے فائدے کے کام لے سکے۔ انسان میں ایسی صلاحیت موجود ہے کہ وہ کائناتی قوتوں کی کارفرمائی کے قوانین کا علم حاصل کر لے اس لئے یہ قوتیں انسان کے تابع تسخیر آسکتی ہیں۔ اس طریق کا علم کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے متعلق قرآن کریم نے انسان کو رہنمائی دے دی ہے۔ مسلمانوں نے اس رہنمائی میں قدم بڑھایا قوانین فطرت کا علم حاصل کر کے کائناتی قوتوں کو مسخر کیا تو نوع انسان کے لئے برکات کا دور بن گیا۔ سپین (اندلس) جب مسلمانوں کے زیر اثر آیا تو اس وقت یورپ دنیا میں غریب ترین اور مفلس ملک تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس ملک نے اتنی ترقی حاصل کر لی کہ اس ملک کی دولت و ثروت یورپ کے تمام ملکوں کی مجموعی دولت سے بھی زیادہ ہو گئی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ یورپ والوں نے علوم سائنس کی طرف توجہ دی ورنہ اس زمانے میں یورپ کے اندر علم حاصل کرنا ایک معیوب سی بات تھی۔ وہاں کے بادشاہ اور معتبر شخصیتیں ان پڑھ تھیں۔ رومن بادشاہ بھی ان پڑھ تھے Richard, The Lion Herarted بھی ان پڑھ تھا۔ وہ جہالت پر فخر کرتے تھے۔ ایک ایسا بھی دور آیا جس دور میں پادری بھی ان پڑھ تھے۔ یورپ میں نہ کالج تھا نہ سکول۔ تمام تعلیمی ادارے مسلمانوں نے قائم کئے۔ اس حقیقت کا اعتراف اپنی کتاب Making of Humanity "تشکیل انسانیت" میں ان الفاظوں میں کی ہے۔

"راجر بیکن نے عربی اور علوم عربیہ کی تعلیم پائی۔ تجربی منہاج کی اشاعت پر فخر کرنے کا حق راجر بیکن

رہا ہے...... راجر بیکن کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ا[illegible]تی یورپ میں اس کا شمار اسلامی سائنس ے مبلغین میں ہوتا ہے۔ وہ یہ کہتے کبھی نہیں تھکا کہ اگر اس کے معاصرین کو سچ مچ علم کی تلاش ہے تو انہیں چاہئے کہ عربی علوم کی تحصیل کریں۔" (ص 202)

"سب سے بڑی خدمت جو عربی تہذیب و ثقافت نے جدید دنیا کی ہے وہ سائنس ہے.... لیکن یہ صرف سائنس ہی نہیں جس سے یورپ کے اندر ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اور بھی متعدد اثرات ہیں جن سے یورپ نے زندگی کی آب و تاب حاصل کی۔" (ص 202)

"پھر اگر ہم علوم طبیعیہ میں مرہون منت ہیں تو اس لئے نہیں کہ انہوں نے بڑے بڑے انقلاب آفرین نظریوں کی بنیاد رکھی، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کسی اور چیز، یعنی سائنس کی ہستی اور وجود کے لئے..... پندرھویں صدی تک یورپ ان علوم و فنون کو اپناتا رہا جو اسے مسلمانوں نے دیئے تھے۔ اس پر کوئی اضافہ پیش نہ کر سکا.... (لہٰذا ہم جسے سائنس کہتے ہیں یورپ میں اس کا ظہور تحقیق و تفتیش کی جس نئی روح کی بدولت ہوا وہ نتیجہ تھی اس کے نئے نئے منہاجات تحقیق، منہاج تجربے، مشاہدے، پیائش اور ریاضی کی ایک ایسی شکل میں نشوونما کا، جس سے اہل یونان سرتاپا بے خبر تھے۔ یہ نئی روح اور نئے منہاجات یورپ میں عربوں ہی کے ذریعے پھیلے۔" (ص 190)

اس سے ظاہر ہے کہ سائنس کا وجود اس وقت ممکن ہوا جب قرآن کریم نے نئے نئے منہاجات تحقیق کی طرف راہنمائی کی۔ طریق علم سے روشناس کرایا۔ اگر یہ رہنمائی نہیں ہوتی تو انسان میں اس صلاحیت کا ظہور کبھی نہ ہوتا اور دنیا سائنس کی نعمتوں سے محروم رہ جاتی۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے! دنیا میں جہاں کہیں بھی 'روشنی' ہے، اس کا سرچشمہ خدا ہے۔ عقل کی روشنی، علم کی روشنی، وحی کی روشنی وغیرہ یہ سب خدا کی عطا کردہ ہیں۔

تعجب ہے کہ اہل مغرب ذہنی تعصبات کی بنا پر ہمارا فلسفہ اور تاریخ گمراہ کن انداز میں پیش کر رہے ہیں حالانکہ انہیں ان حقائق کو تسلیم کر لینا چاہئے تاکہ علم کا صحیح رخ متعین ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کا اصل مقصد یہ ہے کہ عالم اسلام اپنے ماضی سے بیزار اور مستقبل سے مایوس ہو جائے۔

قرآن کریم کی رو سے علم کے سرچشمے دو ہیں ایک وحی یعنی وہ علم جو خدا سے براہ راست انبیاء کرامؑ کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس علم کا سلسلہ ختم نبوت کے ساتھ ختم ہو گیا اب یہ علم صرف قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ اور دوسرا عقل انسانی Human Intellect_ اس میں شک نہیں کہ عقل انسانی کا منصب انسان کو غلط کاموں سے روکنا ہے۔ لیکن انسان اپنے ساتھ حیوانی جذبات بھی لے کر پیدا ہوا ہے۔ جذبات نہایت ضروری ہیں لیکن اگر ان جذبات کو کنٹرول نہ کیا جائے تو یہی جذبات انسان کے اندر خواہشات (Desires) پیدا کرتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ان حالات میں عقل انسانی خواہشات کو حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی تدابیر سوچتی ہے۔ دلائل پیش کرتی ہے نتیجہ یہ کہ عقل خواہشات کو بروئے کار لانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور دنیا کے اندر شر پھیل جاتا ہے۔ انسانیت تباہی اور جہنم کے کنارے پہنچ جاتی ہے۔ حیوان کے

[illegible] ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان علم کے ارتقاء کا ساتھ [illegible] مومن کا تو یہ مقام ہے کہ وہ اپنے زمانے کی امامت کرے۔ شاہراہ حیات پر کسی مقام پر یہ [illegible] کھڑے ہو جانا کہ ہم علم کی انتہا تک پہنچ گئے [illegible] سب سے بڑی جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکمل راہنمائی قرآن کریم میں دے دی ہے۔ اس میں نہ کسی تبدیلی کی ضرورت ہے نہ اضافے کی گنجائش۔ تاہم اس اصولی رہنمائی کی روشنی میں زندگی گذارنے کے لئے علم کی ضرورت ہو گی اور یہ ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ اس ضرورت کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ وہ ذات اقدس و اعظمؐ جو علم کی بلندیوں پر فائز تھی اسے بھی یہ دعا سکھائی گئی **وقل رب زدنی علما**" (20:114)- اے میرے نشوونما دینے والے رب- میرے علم میں اضافہ کرتا جا- (مطالب الفرقان جلد دوم ص 368) لہٰذا ہر مومن مسلمان کے لب پر یہ دعا ہمیشہ کے لئے جاری و ساری رہنی چاہئے-

"رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا"

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعتہ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:
ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

مقابلے میں انسان کی زندگی معاشرتی اور تمدنی زندگی ہے۔ ہر فرد کو معاشرتی قوانین کے تابع زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ یہ قوانین ایسے ہونے چاہیں جو انسان کے بنائے ہوئے نہ ہوں۔ انسان صرف اپنے مفاد کے لئے سوچتا ہے۔ کائنات میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ مختلف اشیائے کائنات کی تخلیق کرتا ہے پھر ان میں مناسب اعتدال پیدا کرتا ہے اور ان کے لئے پیمانے و اندازے مقرر کرتا ہے۔ اور ان کی اس راستے پر رہنمائی کر دیتا ہے جس پر چل کر وہ ان پیمانوں اور اندازوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں تاآنکہ کائنات کی ہر چیز اپنی اپنی تقدیر تک پہنچ جائے۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی

(87/203)

انسان بھی کائنات کی چیز ہے اسے بھی کچھ بننا ہے۔ اس کے لئے بھی زندگی کے قوانین مقرر ہیں۔ لیکن اس کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے چاہے تو سرکشی اختیار کر لے۔ مگر یہ اس کے اختیار میں نہیں کہ وہ سرکشی کی روش اختیار کر کے وہ نتائج حاصل کر لے جو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں مصلحت یہ پوشیدہ ہے کہ انسان ان قوانین پر اپنے اختیار و ارادہ سے چلے تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ انسان کو اپنی تقدیر تک پہنچنے کے لئے یہ ہی طریق وضع کیا گیا ہے۔ انسانوں کو یہ قوانین انبیائے کرامؑ کی وساطت سے ملتے رہے ہیں۔ اب یہ قوانین قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔

قرآنی قوانین کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی تاریکیوں سے روشنی کی طرف آجائے اور نوع انسانی کو سلامتی اور برکات کا دور مل جائے۔ انسانی [illegible] صحیح مقام سے روشناس کرایا جائے۔ انسانی [illegible] نشوونما ہو جائے اور اس کی صلاحیتوں اور [illegible] دائرہ وسیع ہو جائے۔ قرآن کریم نے کہا ہے [illegible] تمہیں علم ہو تو جان لو کہ احکام خداوندی [illegible] قدر حکمت پر مبنی ہیں۔ (2:280)

انسان کو چاہئے کہ عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام لے۔ اپنے عمل و خیالات کو قرآن کے احکامات کے تابع رکھے۔ علم وہ ہی فائدہ دے سکتا ہے جس سے وحی کی روشنی میں کام لیا جائے (53/20)۔ عقل و فکر اور علم و بصیرت سے اگر وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے تو وہ تباہی سے نہیں بچا سکتے۔ وحی وہ ہی سکھاتی ہے جس کا علم انسان کو نہیں ہوتا۔ جب معاشرہ قانون خداوندی کے مطابق تشکیل پا جائے تو اس میں رزق کی فراوانی عام اندازوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں کی ایک ذہنیت کا ذکر کیا ہے وہ یہ کہ

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۗ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ذرا ٹھہرو اور دیکھو کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ واقعی حق اور صداقت پر مبنی ہے؟ اگر ایسا نہیں تو جو کچھ تم ہمارے سامنے پیش کرتے ہو اسے بھی اچھی طرح پرکھ لو۔ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں جو کچھ سمجھنا تھا' سمجھ لیا۔ تم یوں سمجھ لو کہ ہمارے دلوں پر خول چڑھے ہوئے ہیں ہم نے جو علم حاصل کرنا تھا کر لیا۔ اس مقام پہ کہنا کافی ہو گا کہ انسانی زندگی ارتقائی منازل طے کر رہی ہے۔ وہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (لاہور)

ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس صدی کے عظیم ترین انسان کا قرب میسر تھا' مجھے اپنی محرومی کا احساس ہے کہ میں نے قائداعظمؒ کو قریب تو کیا' دور سے بھی نہیں دیکھا' شاید مجھے اس محرومی کا احساس بھی نہ ہوتا اور یہ زندگی یونہی تاریکی اور گمراہی میں گزر جاتی' اگر مجھے قائد کے ایک ایسے ساتھی سے ملاقات اور پھر یک گو نہ قرب کا شرف حاصل نہ ہوتا جسے یہ منفرد اعزاز حاصل تھا کہ وہ قائداعظمؒ سے بغیر پیشگی وقت مقرر کئے مل سکتا تھا' دینی معاملات میں جس سے قائد مشورہ کرتے تھے--- میری مراد جناب علامہ غلام احمد پرویزؒ سے ہے' انہی سے میں نے تحریک قیام پاکستان کو اس کے اصل تناظر میں سمجھا' اور انہی کے افکار کی روشنی میں قائداعظمؒ کی شخصیت' ان کی سیرت و کردار کے درخشاں پہلو واضح ہوئے۔

ان کی سیرت و کردار کی عظمت کے واضح ہوتے ہی احساس جاگا کاش ان کی قربت میسر ہوتی' کاش انہیں سنا ہوتا' انہیں دیکھا ہوتا' نزدیک سے نہ سہی دور ہی سے دیکھا ہوتا'----

بلاشبہ وہ اس صدی کے عظیم ترین انسان تھے۔ یہ سچ ہے کہ اس صدی میں اور بھی بڑے بڑے لوگ سامنے آئے' لوگ انہیں عہد ساز شخصیتیں کہتے ہیں' تاریخ ساز گردانتے ہیں' بڑے بڑے مدبر سیاستدان' جرنیل' وہ لوگ جنہوں نے ملک فتح کئے' وہ لوگ جو بڑے بڑے فاتحین کے سامنے ڈٹے رہے' وہ لوگ جنہوں نے شکست فتح میں بھی بدل دی' جنہوں نے ہاری ہوئی قوم کو دوبارہ قوموں کی برادری میں اعلیٰ مقام دلوایا-- ایسے لوگ بھی سامنے آئے جو آزادی کے لئے لڑے' سالہا سال بلکہ عمر عزیز کا بڑا حصہ پس دیوار زنداں کاٹ دیا۔

مگر چشم فلک نے ایسا کارنامہ کب دیکھا ہو گا کہ جسمانی طور پر ایک نحیف و نزار شخص نے بغیر کسی لشکر جرار کے' بغیر توپ و تفنگ' بغیر ساز و سامان' محض اپنی فہم و فراست' کوہ آسا عزم و ہمت سے ایک پسماندہ قوم کو دنیا کی دو بڑی ہوشیار قوتوں' ہندو سرمایہ دار اور برطانوی استعمار--- کے علی الرغم ایک آزاد' خود مختار وطن کا وارث بنا دیا' انہوں نے تاریخ کا رخ ہی نہیں بدلا برصغیر کا جغرافیہ بھی بدل دیا' دنیا کے نقشے پہ ایک نئے عظیم اور منفرد حیثیت کے ملک کا نقش ابھارا۔

یہ سعادت کسی اور رہنما' سیاستدان' جرنیل کے حصے میں نہیں آئی۔

میں نے اس ملک کو منفرد حیثیت کا ملک کہا ہے' بلاوجہ ایسا نہیں کہا' یہ قومیت کا نیا تصور لئے ایک مملکت ہے جس کا قائد نے اس برصغیر کے نقشے میں اضافہ کیا-- یہ قوم' نسل' رنگ یا زبان کے اشتراک سے وجود میں نہیں آئی بلکہ مشترک اقدار اور تصور حیات-- ایک مشترک ایمان کی بنیاد پر

... میں آئی۔

اس ملک کا قیام کیوں ضروری سمجھا گیا۔ غیر ملکی غلامی سے گلو خلاصی' آزادی کی تحریک' معاشی خوشحالی سب اپنی جگہ درست مگر یہ تو متحدہ ہندوستان میں بھی ممکن تھا' مسلمانوں کو جمہوری ہند میں آبادی کے تناسب سے خاطر خواہ حصہ مل سکتا تھا۔ معاشی خوشحالی بھی ممکن ہو سکتی تھی--- مگر یہ تحریک ان سب سے بلند تر مقصد کی حامل تھی۔ یہ مسلمانوں کی نہیں اسلام کی آزادی کا تقاضا تھا۔

مگر قیام پاکستان کے ساتھ ہی اس ملک کے دشمنوں نے اسے ایسے مسائل میں الجھا دیا کہ قائد کو موقع ہی نہ مل سکا وہ اس ملک کو اس کے بلند تر مقاصد کے مطابق ایک آئین دے جاتے--- اور ان کے بعد تو پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ بقول حالی

اٹھتے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

آج تک بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں' سننے میں آرہا ہے کہ قائداعظمؒ ایک سیکولر حکومت بنانا چاہتے تھے۔ کچھ لوگ یہ تک کہہ رہے ہیں کہ اسلام کا نام مسلمانوں کے لئے جذباتی اپیل تھی' ایک وکیلانہ حربہ تھا--- اور ان کی صرف ایک تقریر کے چند الفاظ کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ کوئی نہیں دیکھتا کہ اس وقت ملکی حالات کیا تھے' پاکستان کن حالات میں گھرا ہوا تھا۔ تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت' بے خانماں' بے بس' لٹے پٹے لوگوں کو دوبارہ بسانا' ہندو کے چالوں کی وجہ سے معاشی مشکلات۔ یہ سب ذمہ داری اور نئی حکومت کے انتظامی معاملات دشمن کے عزائم' بین الاقوامی صورت حال۔ یہ سب بوجھ ان ناتواں کندھوں پر تھا۔

اور پھر نہ کوئی ان کی اس سے پہلے کی سات آٹھ سال کی تقاریر اور بیانات پر توجہ دیتا ہے۔ چلئے پہلے کی تقاریر کو تو چھوڑیئے کہ آپ نے اپنے موقف کو مضبوط بنانے کے لئے اس عظیم انسان کے کردار پہ کیچڑ اچھالنا ہے' اس کے بعد کے فرمودات پر ہی غور کیا ہوتا۔ ان کی زندگی کی آخری سرکاری تقریب بنک دولت پاکستان کے افتتاح کے موقع پر کی گئی تقریر اس بات کی گواہ ہے کہ وہ آخر دم تک اس ملک کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا چاہتے تھے۔

یوں تو اب مولویوں سے لیکر جرنیلوں تک کی زبان پہ یہی بات ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا' یہاں اسلامی نظام نافذ ہو گا اور اس کے لئے انہوں نے 77 کی بھٹو ہٹاؤ تحریک میں ایک نئی اصطلاح نظام مصطفیٰ گھڑ کر اس کا چرچا کیا' جلوس مسجدوں سے نکالے گئے' مار کھانے' مرنے کے لئے دینی مدرسوں کے بے خبر طالب علم ہراول دستے کے طور پر استعمال کئے گئے۔ صوبہ سرحد کے دور دراز غیر معروف علاقوں کے بیچارے ان طالب علموں کو باور کرایا گیا تھا کہ پنجاب میں اسلام کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور وہ بے خبر سادہ لوح طالب علم اسلام کو بچانے کے لئے سر بہ کفن شوق شہادت میں کھنچے چلے آئے۔ لیڈران کرام تو نیلا گنبد سے جی پی او تک ساتھ چلتے تھے۔

اور بھٹو کے بعد' ضیاء الحق کے دور میں اسلامائزیشن کا دور دورہ رہا' پہلے تو ان کی آمد ہی کو "حق آیا اور باطل گیا" کا نام دیا گیا' اس کے بعد تو ان کی کابینہ بھی جماعت اسلامی کی شمولیت کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہو گئی--- ظہر کی نماز دفتروں میں پڑھائے جانے کا حکم نافذ ہوا مگر یہ وقت عملی طور پر

دفتر سے گم ہونے کا بہانہ بن گیا۔ صلوٰۃ کا مطلب سمجھے بغیر محلوں میں ناظم صلوٰۃ مقرر کئے گئے جو بیچارے کچھ دیر سرگرم رہنے کے بعد پذیرائی نہ ملنے پر خاموش ہو گئے۔ زکوٰۃ کے نام پر بنکوں میں جمع رقم پر ملنے والے منافع سے اڑھائی فیصد کی کٹوتی شروع ہوئی۔ یہ منافع کیا ہے۔ سود کا نیا نام--- کہیں منافع کہیں مارک اپ--- اس زکوٰۃ سے ایک فرقے نے انکار کیا۔ کچھ لے دے ہوئی اور آخر اس فرقے کو اس کٹوتی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا-- اور یوں تفریق کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اسلامیات سکولوں میں لازمی قرار دی گئی مگر یہاں بھی دو بڑے فرقوں کی دینیات مختلف مان کر کلاسوں کو بانٹ دیا گیا۔ ایک کلاس جو تاریخ، جغرافیہ، لسانیات حتیٰ کہ پاکستان سٹڈیز اکٹھے پڑھتے ہیں دینیات کی کلاس میں دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔

فرقہ بندی اس حد تک بڑھی کہ اسے آئین میں تحفظ حاصل ہو گیا۔

یہ اسی اسلامی مارشل لاء کا فیض تھا کہ فرقوں نے زور پکڑا، شیعہ اور سنی تو پہلے ہی دور دور تھے، اب اہل حدیث، دیو بندی، بریلوی پہ بھی زور دیا جانے لگا۔ ہر کوئی اپنی بات منوانے کے لئے گروہ بندی کو مضبوط تر بنانے کے جتن کرنے لگا، تنظیمیں اور جتھہ بندیاں مضبوط ہوئیں۔ ہر گروہ کا بازوئے شمشیر زن منظم کیا گیا اور مولاناؤں کے جلوسوں میں دہریوں کی ایجاد کردہ کلاشنکوف کی نمائش ہونے لگی۔

اس سے بڑھ کر مقام ہجرت کیا ہو گا کہ سپاہ محمد اور سپاہ صحابہ انگریزی محاورے کے مطابق at daggers draion مقابل صف آرا ہیں اور دونوں طرف سے لوگ شہید ہو رہے ہیں۔

اب تو اہل حدیث بھی دو گروہوں میں بٹ چکے ہیں، بریلوی بھی، دیو بندی بھی سیاسی جماعتوں کی طرح زور دروں سے پھٹ چکے ہیں اور سب افراد سے متعلق ہو گئے ہیں۔ جیسے مسلم لیگ نواز ہے، مسلم لیگ جونیجو ہے، مسلم لیگ قاسم ہے اسی طرح جمیعت علماء اسلام فضل ہے، جمیعت علماء اسلام درخواستی ہے، جمیعت علمائے اسلام سمیع ہے، جمیعت علمائے پاکستان نورانی ہے، جمیعت علمائے پاکستان نیازی ہے۔ ظاہر ہے دوسرے فرقوں سے اختلاف عقائد علیحدہ علیحدہ گروہ بندی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اہل حدیثوں میں، دیو بندیوں میں، بریلویوں میں مزید گروہ بندیوں کا باعث اختلاف عقائد تو نہیں ہو سکتا۔ پھر وجہ کیا ہے-- انا گزیدگی، شخصیت پرستی۔ یا کوئی دنیاوی مفاد، اسلام سے وفاداری کا بھید تو ان علماء حضرات کے اس رویے سے کھل جاتا ہے، مشاجرت کا راستہ اسلام کا راستہ تو نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو خلاف بین قلوبکم کا راستہ دکھاتا ہے۔

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

کیا ہم نے پاکستان اسی لئے مانگا تھا--؟ قائداعظمؒ نے پاکستان کا مطالبہ کیوں کیا تھا۔ کیوں نہ ہم قائداعظمؒ ہی سے پوچھیں کہ آخر اس کی ضرورت کیا تھی؟

بات ہے 1941ء کی، عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علم نے اسلامی حکومت کی امتیازی خصوصیت پوچھی تھی۔ اس کے جواب میں، آپ نے فرمایا، "اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تکمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے

احکام و اصول ہیں- قرآن کریم کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں' اسلامی حکومت دوسرے لفظوں میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے--- اور حکمرانی کے لئے آپکو لا محالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے"- قیام پاکستان کی وجہ بھی اس مختصر مگر جامع بیان میں آگئی اور جو نظام یہاں رائج کیا جانا مقصود تھا اس کی اصل و حقیقت بھی واضح ہو گئی-

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے جب الہ آباد میں مسلمانان ہند کے لئے ایک علیحدہ مملکت کی بات کی تھی تو کہا تھا

"اس سے اسلام کو وہ موقع میسر آئے گا کہ عرب ملوکیت کی مہر اپنے آپ سے ہٹا سکے اور اسے یہ موقعہ ملے گا کہ وہ اپنے کلچر' اپنی تہذیب' اپنے تمدن کو ایک طرف اپنی اصلی روح سے ہم آہنگ کر سکے اور دوسری جانب زمانہ حال کی رو سے-"

یہی بات وہ اپنے خطبات مدراس میں بھی کہہ چکے تھے-- "تاریخ کے سفر میں اسلامی اخلاقیات' معاشرت' اسلامی آئیڈیلز' مقامی اثرات اور مسلمان اقوام کے زمانہ قبل از اسلام کے توہمات کے زیر اثر آہستہ آہستہ De-Islamize ہو چکے ہیں' ہمیں اس زنگ کو اس پر سے کھرچ کر علیحدہ کرنا ہے"-

"مسلمان اقوام کے زمانہ قبل از اسلام کے توہمات" والے حصے پر غور کریں' اس میں واضح اشارہ ہندوستان کے مسلمانوں اور اسلام پہ اس کے اثرات کا ہے' ہم ہندو تہذیب و رسوم و رواج سے اپنا دامن چھڑا کر اس نئی مملکت میں اسلام کو اس کی اپنی اصلی اور منزا شکل میں یہاں نافذ کرنا چاہئے تھے' مدینہ کی اولین اسلامی مملکت کے بعد پاکستان کو ایسی مملکت بنانا مقصود تھا جس میں وہ اسلام نافذ ہوتا جو حضور نبی اکرمؐ کا تھا-

قائداعظمؒ سے ایک بار کسی نے پوچھا تھا کہ آپ شیعہ ہیں یا سنی تو آپ نے جواباً سوال کیا تھا " رسول اکرم کیا تھے؟" اور پھر کیا "جو ان کا مذہب تھا' وہی میرا ہے"-

یہ ہماری کوتاہی فکر اور عجز عقل و دانش ہے کہ جب ہم مذہب کی بات کرتے ہیں تو قائداعظمؒ کو مذہب سے بے بہرہ تک کہہ دیتے ہیں (شاید علامہ اقبالؒ کو بھی)-- قائداعظمؒ کے متعلق ایک بات میں نے اپنے گنہگار کانوں سے احرار کے ایک جلسے میں سنی' مقرر نے کہا قائداعظمؒ نماز کے لئے کھڑے تھے' رکوع کے بعد جب قیام میں آئے تو ساتھ کھڑے لیاقت علی سے کہا' "What Next"

یہ اس شخص کے متعلق کہا جا رہا ہے- جو عثمانیہ یونیورسٹی کی اسی مجلس میں جس کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے یہ فرمایا تھا "جب میں انگریزی میں ریلیجن کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لا محالہ میرا ذہن خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں' میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا' نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے البتہ میں نے قرآن کریم اور قوانین اسلام کے مطالعے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے' اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں' زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے

باہر ہو--" ذرا غور فرمایئے' قائداعظمؒ کی سی فہم و فراست' ذہنی بلندی اور قانونی مہارت رکھنے والا شخص کہتا ہے۔ کردار کی بلندی ملاحظہ ہو کہ کہتا ہے مجھے مہارت کا دعویٰ نہیں میں نے اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ تو سیاست و قانون میں اس بلند مقام پہ فائز شخص۔ کی نگاہ دور رس کس کس افق تک نہ پہنچی ہو گی۔

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

اقبالؒ کی نگاہ یونہی تو ہر طرف کی تلاش کے بعد قائد پر جا کر نہیں رکی تھی کہ انہوں نے انگلستان میں مستقل رہائش کے متمنی محمد علی جناحؒ کو لکھا " میری نگاہوں میں اس وقت ہندوستان بھر میں آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں جس کے ساتھ ملت اسلامیہ کو اپنی یہ امیدیں وابستہ کرنے کا حق ہے کہ آپ اس طوفان میں جو یہاں آنے والا ہے اسکی کشتی کو ثابت و سالم بہ امن و عافیت ساحل مراد تک لے جائیں گے"۔

اور اسی کے بار بار ملت کے مستقبل بچانے کے لئے استدلال کا اثر تھا کہ قائداعظمؒ نے انگلستان سے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اور پھر سب کی مخالفت مول لی۔ انگریز کی' ہندو کی' نیشنلسٹ مسلمانوں کے علماء حضرات کی۔

یہ علماء جو ہندوستان میں ہندو کے ساتھ مل کر ایک قوم کہلانے کو تیار تھے۔ وہ ایک جمہوری نظام میں اپنا مستقبل دیکھ رہے تھے جہاں دنیاوی معاملات کے متعلق قوانین اکثریت کے ووٹوں سے بنیں گے اور شخصی معاملات مثل نکاح' طلاق' رضاعت وغیرہ نجی معاملات ان کے سپرد ہوں گے۔ سیکولر حکومت کے قائل تو یہ لوگ تھے جو اب قائد [illegible] حکومت کا حامی قرار دیتے ہیں اور خود کو اسلامی نظام کے علمبردار۔

قائد کی مخالفت تو زمانے نے دیکھی۔ علامہ کے متعلق ان کا نظریہ کیا تھا۔ مغربی تعلیم' مغربی لباس تراش خراش کا طعنہ تو ایک طرف ان کی علمی حیثیت اور اسلام کے متعلق ان کے مطالعے کا مقام ان کی نظروں میں کیا تھا-- مکتوبات شیخ الاسلام کے مرتب مولانا نجم الدین اصلاحی لکھتے ہیں۔ "ہم ڈاکٹر صاحب مرحوم کو ایک شاعر اور فلسفی سے زیادہ حیثیت دینے کو شرعی جرم سمجھتے ہیں"۔ (زندہ رود جلد 3 صفحہ 379)

یہی مولانا نجم الدین فرماتے ہیں۔

"پاکستان میں قانون سازی کا اصول فکر اقبالؒ کی روشنی میں تو ہو سکتا ہے کیونکہ پاکستان جس اسلام کے نام پر بنا ہے وہ مرحوم ہی کے فلسفے کا دوسرا نام ہے"۔ (زندہ رود)

اور ڈاکٹر جاوید اقبالؒ زندہ رود میں لکھتے ہیں-- "آخر اقبالؒ کا تصور اسلام کیا ہے' مختصراً یہی کہ ایک نیا مسلم معاشرہ وجود میں لایا جائے جو اجتہادی نقطہ نگاہ سے قرآن و سنت کی روشنی میں وقت کے جدید تقاضوں کے مطابق اپنے مسائل حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو-- علماء پاک و ہند نے ہمیشہ اس قسم کی اجتہادی آزادی کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا ہے!"

پاکستان بننے کے بعد یہی علماء حضرات ہر حکومت کو اس کی کوتاہیوں پہ ملامت کے کوڑے برساتے رہے' بدنامیوں کے پتھر پھینکتے رہے۔ کسی نے کوئی مثبت رہنمائی دی ہی نہیں کہ ان کے بتلے

وائے تکفیر کے فتووں اور تعزیرات کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اسکو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

بیس برس یہ قرآن و سنت، قرآن و سنت کے مطابق قوانین کے نفاذ پر زور دیتے رہے اور ایسا نہ کرنے پر ہر حکومت کو گردن زدنی ٹھہرایا مگر آخر مودودی صاحب نے بھی تسلیم کر لیا "کہ کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو پبلک لاز کے معاملے میں حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو"۔ (ایشیا 23 اگست 1970)۔

یوں بعد از خرابی بسیار جو کچھ انہوں نے تسلیم کیا قائد کی نگاہ دور بین اس سے آگاہ تھی، اس لئے اس نے اپنی تقاریر، اپنے بیانات میں ہمیشہ خدا کی کتاب عظیم ہی کا ذکر کیا، اسی کو اپنی کشتی کے لئے لنگر کہا۔ اسی کے دیئے اصولوں کے دائرے کے اندر رہنے کا ذکر کیا کہ وہ امت میں اتحاد کے داعی تھے۔ تفرقے اور فساد کے نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم کی دی ہوئی اصولی ہدایات اور احکام کے اندر رہتے ہوئے امت باہمی مشورے سے اجتہادی انداز اپنا کر اپنے زمانے کے حالات کے مطابق جزوی قوانین مرتب کر کے زمانے اور حالات کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ثبات و تغیر کے اس امتزاج کو یہ نباتات و جمادات کی طرح پابند گل حضرات سمجھنے کے اہل نہیں۔

تحریک پاکستان انگریز اور ہندو اور بیرونی دنیا کے لئے تو تحریک خود ارادیت، تحریک آزادی تھی مگر دراصل اسلام کے ان دو تصورات کی جنگ تھی جو اقبالؒ اور قائدؒ کے تصور کے داعیوں نے جیت لی اور پاکستان بنا لیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ وہیں رہ کر اپنے خیالات کے مطابق متحدہ قومیت میں جذب ہوتے یا اگر جان بچانے پاکستان میں آ ہی گئے تھے تو خاموشی سے زندگی گزارتے مگر بقول ڈاکٹر جاوید اقبال "پاکستان میں وہ ایسا روائتی نظام اسلام نافذ کرنے کے درپے ہیں جس کا آج کے متغیر زمانہ میں نفاذ مشکل ہے۔ ممکن ہے وہ ایسے نظام کے نفاذ کی ناکامی سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ مولانا حسین احمد مدنی کا موقف درست تھا اور اقبالؒ کا غلط!"

جاوید اقبال صاحب آپ بالکل درست سمجھے ہیں، وہ یہی چاہتے ہیں۔

اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے نام لیواؤں پر یہ لازم ہے کہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے افکار کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ یہ ملک کیوں حاصل کیا گیا تھا۔ ہمیں لوگوں کی سوچ بدلنی ہو گی۔ قوم کی سوچ تبدیل ہو گی تو حالات تبدیل ہو جائیں گے۔

(بزم طلوع اسلام گجرات کی طرف سے یوم پاکستان کے سلسلہ میں منعقدہ تقریب میں پڑھا گیا مقالہ)

"تبلیغ کرنا بڑی حد تک سننے کی مہارت کا نام ہے۔ آپ جسے تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اگر اس کی بات سنیں گے اور یہ معلوم کریں گے کہ وہ کیا سننا چاہتا ہے اور اس کی ضرورت کیا ہے تو آپ اسے قرآنی تعلیمات سے درست جواب اور صحیح علاج بتا کر اپنا کام شروع کر سکتے ہیں"...... ماخوذ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اسلم صابر (بوریوالہ)

"تعلیم سے کیا حاصل"

(کنونشن 1995ء میں پڑھے جانے والے مضمون کی تلخیص)

آپ کرۂ ارض پر نگاہ ڈالیئے' اور پھر اس کرۂ عرض کی سب سے زیادہ مقدس ہستی "حضرت انسان" کو ایک نظر دیکھئے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ نوع انسانی اس کرۂ عرض پر مختلف بلکہ متضاد تہذیبوں' تمدنوں اور ثقافتوں کا گہوارہ ہے۔

افریقی قبائل کو دیکھئے تو آپ کو حیرت ہو گی کہ انسان ابھی تک حیوانوں جیسی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسے جنگل کا "سپر اینمل Super Animal" کہہ لیجئے۔ دوسری طرف دیکھئے تو ایک مختلف قسم کا انسان نظر آتا ہے جو زمین کے ماحول سے آزاد ہو کر کائنات کی لامحدود وسعتوں میں کھو جانے کے لئے مضطرب ہے مگر اس تضاد کے باوجود ان کے اندر " حیوانی جبلتیں" ایک ہی جیسی ہیں۔

جنگلی انسان کے متعلق تو یہ تصور ہی عبس ہے کہ وہ کسی اعلیٰ قدر کا حامل ہو گا' یہاں تو ستاروں پر کمند ڈالنے والا انسان بھی اخلاقی اقدار سے اسی طرح ناآشنا ہے جس طرح جنگلی انسان۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک انسان جنگل میں چوہوں کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو دوسرا وسعت افلاک میں ستاروں کا تعاقب کر رہا ہے۔ انسانیت سے دونوں ناآشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارض و خلا میں فساد ہی فساد برپا ہے (23/71)۔ اور انسان ان گنت مشکلات میں الجھا ہوا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ اس کا حل کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تعلیم کی کمی بھی ہو سکتی ہے لیکن ہمارے یہاں جو تعلیم دی جاتی ہے اس کی آخری منزل "نوکری" ہے۔ نوکری کو تعلیم سے الگ کر دیا جائے تو کوئی اس تعلیم کے لئے وقت ضائع کرنے پر تیار نہ ہو گا۔ اور پھر اس تعلیم سے کیا حاصل جو آدمی کو انسان بنانے کی بجائے نوع انسان کا شکاری بنا دے۔

جب بچے کو تعلیم یہ دی جائے کہ فلاں بزرگ کیچڑ میں گر گئے اور جتنی مٹی ان کے منہ میں گئی وہ سب شکر بن گئی تو آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ وہ بچہ بڑا ہو کر کیسا انسان بنے گا۔ تعلیم کے نام پر جس قسم کی غیر فطری چیزیں ذہن میں بھر دی جاتی ہیں اس سے بچے کا ذہنی ارتقا مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ "کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت"

بقول علامہ اقبالؒ

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
اک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اقبالؒ نے اگر ایک طرف اہل کلیسا کے نظام تعلیم کو دین و مروت کے خلاف قرار دیا ہے تو دوسری طرف یہ کہتے ہوئے پیران طریقت کی روش کو بھی بے نقاب کیا۔

اسی قرآں میں ہے اب ترک جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

تعلیم فرنگیانہ ہو یا شیخ حرم کی ۔ "ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت"

موت کی وادی سے نکل کر آیئے اب زندگی کا راستہ تلاش کریں۔ اگر آپ اس معاملہ میں واقعی مخلص ہیں تو پھر اپنی خوش بختی پر ناز کیجئے کہ اقبالؒ جیسا حکیم الامت آپ راہنمائی کے لئے موجود ہے۔ جس نے تعلیم کے ڈسے ہوئے نوجوان کو دیکھا تو پکار اٹھا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس کا سلیس تبدیل کر دیں یہ بالکل ٹھیک ہو جائیگا۔

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ

نصاب قرآنی یعنی لا الہ کی بنیاد پر اٹھنے والی تعلیم ہی ان کے نزدیک امراض ملت کی دوا ہے۔

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشتر

"تعلیم کا اصل مقصود علامہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ انسان کو انسان بنائے"

ہمدردی ان کے نزدیک اخلاقی کمال کی معراج ہے تو تعلیم کی اصل غایت"

تعلیم سے ایک طرف مقصود اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی ہے تو دوسری طرف احتساب کائنات بھی ہے۔

موجودہ تعلیم میں احترام آدمیت کا عنصر نہ پا کر علامہ اقبالؒ تڑپ اٹھے اور فرمایا' "انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے' جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہے گی"

اور آخر میں علامہ غلام احمد پرویزؒ کا تجزیہ جو اس موضوع پر قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "قوموں کی قسمتوں کے فیصلے بساط سیاست یا میدان جنگ میں نہیں ہوتے۔ یہ فیصلے ان کے مکتبوں اور تربیت گاہوں میں ہوتے ہیں۔ کوئی قوم اپنے فریق مخالف سے نہیں پٹتی وہ اپنے ہی نوجوانوں کی غلط تعلیم سے پٹتی ہے۔"

(طلوع اسلام کنونشن 95ء میں پیش کئے گئے مقالے کی تلخیص)

پرویزؒ صاحب کی لغات القرآن' ادارہ تحقیقات اسلامی کی نظر میں

فہم قرآن کی تسہیل کے لئے قرآنی لغات کی تالیف ایک تاریخی تسلسل ہے۔ عربی میں اس صنف کی مقبول ترین اور شاید سب سے زیادہ مستند خیال کی جانے والی کتاب امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن ہے۔ (1) جو معانی کے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی شائع ہو چکی ہے۔ (2) اس نوع کی اردو کتابوں میں جناب غلام احمد پرویزؒ کی چہار جلدی تالیف "لغات القرآن" ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔

لغات قرآن کو استعمال کرنے والوں کی ایک قبیل وہ ہے جو عربی صرف و نحو سے واقف ہیں اور قرآنی کلمات کے معانی لغوی تفصیل و تدقیق اور حوالہ سند کے ساتھ جاننا چاہتے ہیں' ان کے لئے عربی مصادر کے علاوہ پرویزؒ صاحب کے "لغات القرآن" جیسی کتابیں موجود ہیں۔

بحوالہ ماہنامہ فکر و نظر اکتوبر۔ دسمبر 95ء
(ص 129)

تبصرہ نگار ۔ ڈاکٹر شیر زمان
سابق ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سکندر علی عباسی

ہماری معاشی بیماریوں کا علاج

کنونشن 95ء کے لئے' میں نے اپنے مقالے کا موضوع "ہماری معاشی بیماریوں کا علاج" منتخب کیا ہے۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آج کا دور' دور معاشیات Age of Economics ہے۔ ویسے بھی کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

"پراگندہ روزی پراگندہ دل"

فرد ہو یا قوم' اگر اس کی روزی یعنی معیشت کا مسئلہ الجھا ہوا ہے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ فرد یا قوم دلجمعی اور طمانیت قلب کے ساتھ زندگی کے باقی مسائل سے عہدہ برآ ہو سکے۔ فلسفے اور فن کی باریکیاں تب ہی سمجھ میں آسکتی ہیں جب پیٹ کا مسئلہ حل ہو چکا ہو۔ بھوکے ننگے انسان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ "جسم و جاں" کے تعلق کو قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ صرف روٹی کی تلاش میں رہتی ہے۔ روٹی سے زیادہ حسین اور معنی آفرین چیز اس کے لئے کوئی اور نہیں ہوتی۔ پورا کائناتی جمال اس کے لئے روٹی کے اندر محدود ہو جاتا ہے۔ جب کبھی وہ چاند کو دیکھتا ہے تو اسے رخ یار سے تشبیہ دینے کے بجائے گندم کی روٹی سے تشبیہ دینے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دانائے راز حضرت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎

جب تک سہل نہ ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بری ہے مستی اندیشہ ہائے افلاکی

میرے خیال میں زمین کے ہنگاموں میں سب سے بڑا ہنگامہ اور بحران معیشت کا بحران ہے۔ اور جب تک ہم بحیثیت ایک قوم اس ہنگامے اور بحران کو حل نہیں کر لیتے ہمارے "اندیشہ ہائے افلاکی" پر مبنی فلسفے' خودی اور انسانی ذات کے مباحث کی سرمستیاں سب بیکاری کی باتیں ہو کر رہ جائیں گی۔ اس موقع پر مجھے حضرت قائداعظمؒ کے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سیشن واقعہ دہلی 1943ء میں فرمائے تھے۔

"میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے۔ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے۔ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ' ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے"۔

قائد اعظمؒ کے یہ زرین الفاظ جو میں نے ابھی ابھی آپ کے سامنے دھرائے ہیں بدقسمتی سے میں نے اپنے کانوں سے نہیں سنے کیونکہ اس وقت میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ یقین جانئے کہ یہ الفاظ جب میں نے طلوع اسلام لاہور کے مئی 84ء کے شمارے میں پڑھے تو میری روح کانپ اٹھی۔ ان کے یہ الفاظ پھر

- مانتے ہوئے "کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے۔ اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا"۔

یعنی ایک ایسا پاکستان جس میں لاکھوں لوگ روٹی کو ترستے ہوں حضرت قائداعظمؒ اس سے بیزاری کا اظہار فرما رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ بلیغ نظریہ پاکستان کی تشریح اور ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم اگر نظریہ پاکستان کو سمجھنا چاہتے ہیں تو قائد کا خالی یہ ایک فقرہ ہماری رہنمائی کیلئے کافی ہے۔ لیکن ہم سب کہ تا ہنوز نظریہ پاکستان کی اصل غرض و غایت کے لاحاصل مباحث چھیڑے ہوئے ہیں۔ قائد نے تو پاکستان حاصل ہی اس لئے کیا تھا کہ

- کس نہ باشد در جہاں محتاج کس

کے آدرش کو عملی جامہ پہنایا جا سکے اور یہ اس وقت ممکن تھا جب ہندوستانی مسلمان کو ایک آزاد ملک حاصل ہو۔ جہاں وہ اپنے دین کے معاشرتی و معاشی نظام کو عملی شکل دے سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے مولویوں اور ملاؤں کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان کی تحریک کا ساتھ دیا۔ ہرچند کہ مذہبی اعتبار سے وہ ان مولویوں اور ملاؤں کے چنگل میں گرفتار تھے لیکن سماجی انصاف کے حصول کی تڑپ نے انہیں پاکستان کی تحریک کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ حصول پاکستان کی جدوجہد درحقیقت سماجی و معاشی انصاف کے حصول کی جدوجہد تھی۔ اقبالؒ کے اشعار اور قائدؒ کے افکار نے ان کے سامنے دین اور آزادی کا جو تصور پیش کیا تھا وہ ان کیلئے خوش آئند ہی نہیں بلکہ ان کی آرزوؤں کی تعبیر بھی تھا۔

یہی وجہ ہے جو ہندوستانی مسلمانوں نے مختلف نسلی، لسانی اور حتیٰ کہ مذہبی تفریقات کے باوجود قائدؒ اور اقبالؒ کے تصور پاکستان کیلئے جان کی بازی لگا دی۔ پاکستان ایک تجربہ گاہ کے طور پر حاصل کیا گیا تھا جہاں اقبال کے لفظوں میں حرف قل العفو میں پوشیدہ سماجی انصاف کی حقیقت کو آشکارا ہونا تھا۔ لیکن وائے ناکامی۔ ـــ

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کے مصداق۔ پاکستان کی صورت میں مسجد تو بن گئی لیکن اقامت الصلٰوۃ یعنی سماجی انصاف پر مبنی معاشرے کا قیام عمل میں نہ آسکا۔ ایتائے زکوٰۃ کی حقیقت منتظر، لباس مجاز میں ہمارے لئے جنت نگاہ نہ ہو سکی۔ اور یوں لگتا ہے جیسے ہم منزل سے آج بھی اتنے ہی دور ہیں جس قدر قبل از آزادی دور تھے۔ جانتے ہیں آپ کہ اس کا ہمیں کیا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اقبالؒ اور قائدؒ کی فکری عظمت اور نظریہ پاکستان کی معنویت ہماری نئی نسل کی آنکھوں سے اوجھل ہو رہی ہے۔ سرحد، بلوچستان اور پنجاب کی نئی نسل کی ذہنی اٹھان سے گو میں کماحقہ آگاہ نہیں لیکن سندھ کی نوجوان آبادی اقبالؒ اور قائد کی فکری عظمت سے یکسر منکر ہو رہی ہے اور نظریہ پاکستان کو دام ہمرنگ زمین سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی۔ جو بقول ان کے عسکری اور فکری قوتوں سے مالا مال نہیں لبوں نے ان کیلئے تیار کیا تھا۔

میرے خیال میں یہ سب کچھ معاشی بحران کی پیدا کردہ فرسٹریشن ہے، جس کو ختم کرنے کیلئے ہمارے اس خداداد پاکستان کے اندر کچھ نہیں کیا گیا۔ ایک ایسا پاکستان جس میں لاکھوں کی آبادی کے لئے "روٹی کا مسئلہ" حل نہ ہو اور جس کیلئے بانی پاکستان نے فرمایا ہو کہ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے

پاکستان سے باز آیا۔ بتایئے پھر آپ قائدؒ کی کس دلیل سے نئی نسل کو پاکستان سے برگشتہ ہونے سے روک سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے۔ ہم کس طرح اپنی معاشی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔ آخر کس طرح ہم وہ پاکستان تخلیق کر سکتے ہیں جس میں قائدؒ کی آرزوؤں کی تعبیر ہو سکے، ہم جانتے ہیں کہ ایک دفعہ قائداعظمؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ :

"آپ اس وقت میرے اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں، جب آپ کہتے ہیں کہ پاکستان کو اسلامی سوشل جسٹس یعنی سماجی انصاف کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہئے جو انسانی اخوت اور مساوات پر زور دیتے ہیں۔

یہ الفاظ قائداعظمؒ نے تشکیل پاکستان کے بعد جب پہلی دفعہ چٹاگانگ تشریف لے گئے تھے وہاں پر ایک استقبالیہ میں کہے تھے۔ ظاہر ہے قائدؒ نے خود بتا دیا ہے کہ ہماری معاشی بیماریوں کا علاج اسلامی سوشل جسٹس یعنی سماجی انصاف ہی کے اندر مضمر ہے۔ ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

اس آب نشاط انگیز کو آپ اسلامی سوشلزم کا نام دیجئے یا سوشل جسٹس کا یا پھر قرآنی نظام ربوبیت کا۔ اس کی اثر آفرینی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ میرے خیال میں ہمیں اسلامی سوشلزم کی ترکیب قبول کر لینا چاہئے کیونکہ قرآنی نظام ربوبیت جو اقبالؒ کے لفظوں میں ؎ ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ

کی بات کرتا ہے اور جو ذرائع پیداوار کی ذاتی ملکیت کو، جن میں سب سے اہم زمین کی ملکیت ہے، تسلیم نہیں کرتا۔ اور جو تمام افراد کو کنبہ خدا [illegible] ان کی معاشی کفالت کی ذمہ داری لیتا ہے [illegible] لئے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح استعمال کرنا [illegible] ہے۔ ہم تو اسلامی کے ساتھ سوشلزم کے لاحقے [illegible] معترض ہیں حالانکہ قائداعظمؒ کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ مولانا رئیس احمد جعفری نے تو اپنی کتاب "اسلامی جمہوریت نہیں تو اسلامی سیکولرزم" کی ترکیب تک استعمال کر دی ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ قرآنی میکدے کے آب نشاط انگیز ہی کے اندر ہماری معاشی نامحکمی کا علاج پوشیدہ ہے۔ اس کو نام کوئی سا بھی دے لیجئے علاج بہرحال وہی ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اس آب نشاط انگیز کو اس طرح کے کشف ہما نعروں میں پیش کیا جا رہا ہے، جس سے یہ آب نشاط انگیز نہ بے دود رہی اور نہ صاف۔ مفکر قرآں حضرت علامہ پرویزؒ ؎

میرے ساقی نے عطا کی ہے مئے بے دود و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے

کہیں غوغا ہائے رقیباں کے بے ہنگم شور نے اس فقیر کی صداؤں کو سننے ہی نہ دیا۔ حتیٰ کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ پرویز نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مذہبی تھانے کے ڈائریکٹ حوالداروں نے آخر اس فقیر بے نوا کے خلاف "تکفیر کی ایف آئی آر" کاٹ ہی دی۔ اور اسے کافر قرار دے دیا گیا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید کو چھوڑا نہ زمانے میں

وہی ناوک تکفیر۔ جو کبھی قائداعظمؒ کا فراعظم کہہ کر چلایا گیا۔ اور جو کبھی علامہ اقبال پر ؎ ہو گا وہ کسی اور ہی اسلام کا بانی۔ کی صورت میں داغا گیا۔

لاء اعلم: علامہ اقبالؒ اور علامہ پرویزؒ کا آخر قصور اں کیا تھا؟ بس اتنا کہ وہ سوشل جسٹس کی بات کرتے اس نظام ربوبیت کی بات کرتے تھے جس میں نہ کوئی بھوکا رہتا ہے نہ ننگا۔ نہ کوئی مکان سے محروم رہتا ہے نہ بیماری کے علاج سے۔

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است و بس

لیکن ان لوگوں نے کہا کہ نہیں جناب یہ تو صحیح ہے کہ کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ یقیناً بھوکوں اور ننگوں کی بھوک اور عریانی کا مداوا ہونا چاہئے اور اس کے لئے ایک باقاعدہ خیراتی نظام ہو جو اڑھائی فیصد زکوٰۃ امیروں سے لے کر غریبوں تک باقاعدہ تنظیم کے ساتھ پہنچا دیا کرے لیکن اس کے معنے یہ تھوڑی ہیں کہ کوئی کسی کا محتاج ہی نہ رہے۔ یہ شرع مبین کا نکتہ نہیں بلکہ مارکسی اصول ہے۔ مولانا مودودی کے لفظوں میں۔

"خدا کی بنائی ہوئی فطرت خود اس بات کی متقاضی ہے کہ انسانوں کے درمیان رزق میں تفاوت ہو---- فطرت سے قریب تر نظام صرف وہ ہی ہو سکتا ہے جس میں ہر شخص معیشت کے میدان میں اپنی دوڑ کی ابتدا اسی مقام اور اسی حالت سے کرے جس پر خدا نے اسے پیدا کیا ہے۔ جو موٹر لئے ہوئے آیا ہے وہ موٹر ہی پر چلے' جو صرف دو پاؤں لایا ہے وہ پیدل ہی چلے' اور جو لنگڑا پیدا ہوا ہے وہ لنگڑا کر ہی چلنا شروع کر دے۔"

ظاہر ہے کہ جن اشخاص کے نزدیک اسلام کی یہ صورت ہو وہ "کس نہ باشد در جہاں محتاج کس" والا اسلام کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے قیام پاکستان کے بعد ایک سازش کے تحت نشرواشاعت کے ذرائع پر قابض ہو کر اسی اسلام کی تبلیغ کی جو بقول حضرت مولانا کے کسی نوع کی ملکیت پر مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگاتا اور جو یہ

"ترغیب تو ضرور دیتا ہے کہ (مسلمان) اپنا ضرورت سے زائد روپیہ حاجت مند لوگوں کو بخش دے' مگر وہ اس بخشش و سخاوت کو فرض نہیں سمجھتا...."
(معاشیات اسلام ص 218)

یہ اس اسلام کے متعلق کہا جا رہا ہے جس نے عدل کے ساتھ احسان کا حکم بھی دے رکھا ہے۔ اور یہ بات ایک عام آدمی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ جو چیز حکماً" کہی جائے وہ فرض ہوتی ہے۔ نہ کہ ترغیب۔ اسلام ضرورت سے زائد روپے کو صرف معیوب ہی قرار نہیں دیتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس روپے کو محروم لوگوں کی طرف لوٹا دو کہ یہ ان کا حق ہے۔ اور حق بخشا نہیں جاتا' لوٹایا جاتا ہے۔ مگر تدبر اور استدلال کی فسوں کاری دیکھئے کہ زائد از ضرورت روپے کو حاجت مندوں کو بخشنے کی بات کہی جا رہی ہے اور وہ بھی ایک ترغیب کے طور پر۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے آب نشاط انگیز کو ان رنگین پیمانوں میں کیوں سیٹ کیا گیا۔ صرف اس لئے کہ پاکستان میں وہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکے جس کے لئے یہ وطن حاصل کیا گیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا جن سرمایہ داروں کو قائداعظمؒ نے دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے سلب و استحصال کی روش کو نہ بدلا تو زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضے انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ ایسے میں ان کی کوئی بھی مدد نہ کر سکے گا۔ ان کو یہ کہہ کر تھپکی دے دی گئی کہ گھبرائیے مت اسلام نے کسی بھی نوع کی ملکیت پر مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ یعنی قائدؒ اور اقبالؒ کی

سوشل جسٹس والی بات کے راستے میں دانستہ طور پر روڑے اٹکائے گئے اور سرمایہ داروں کو دلیر کر دیا گیا- یہی وجہ ہے جو آج تک ہماری قوم معاشی بیماریوں سے چھٹکارا پانے میں ناکام رہی ہے- علامہ پرویزؒ نے بڑی کوشش کی کہ قرآنی نظام ربوبیت کے خدوخال اس قوم کے سامنے لائے جائیں اور قائدؒ اور اقبالؒ کے معاشی آدرشوں کو قوم کے سامنے واضح کیا جائے- لیکن ملک کے نشرواشاعت کے ذریعے اس کے قبضہ میں نہ تھے- جو اس کی باتوں کو لے اڑتے- بے سرو سامانی کی حالت میں اس سے صرف یہی ہو سکا کہ چند کتابیں لکھیں کچھ تقاریر کیں اور طلوع اسلام کی شکل میں ایک فکری تحریک کی بنا ڈالی- لیکن یہ اس ساز و یراق کے سامنے بالکل ناکافی تھا جو مذہب کے ڈائریکٹ حولداروں کے پاس تھا- نتیجہ یہ کہ اس کی صدا' صدا بصحرا ثابت ہوئی- اور آج تک فکر قرآنی کا یہ عظیم پیامبر پاکستانی قوم کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے- لہٰذا ۔

رقص کی لے تیز کرو ساز کی لے تیز کرو

کے مصداق ہمیں بھی اپنی جدوجہد میں تیزی لانا ہو گی- فکر قرآنی کو جس قدر ہو سکے عام کیا جائے- کہ یہی ہماری معاشی بیماریوں کا مداوا ہے- یقین مانئے اگر اس میں ہم نے بے جا تغافل برتا اور یوں قرآن کا نظام ربوبیت اور علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے عظیم معاشی آدرش کی عملی تعبیر نہ پا سکے- تو وہ جو غالب نے کہا تھا نا کہ ۔

بہت دنوں کے بعد تیرے تغافل نے کی پیدا
وہ ایک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہو سکتا ہے کہ ہمارے کم نگاہ اور محروم طبقات میں وہ نگہ انقلاب نہ پیدا ہو جائے جو روسیوں اور چینیوں کی آنکھوں میں پیدا ہوئی اور جس نے سرما[illegible] داری کے ساتھ مذہب کے سفینے کو بھی اب[illegible] میں سمجھتا ہوں کہ ہماری معاشی بیماریوں کے علاج کے لئے صرف نظری مباحث ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ عملی جدوجہد بھی ہونا چاہئے- اقبال بھی تو ہمیں یہی مشورہ دیتا ہے کہ ۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقین سے
کنجشک فرومایہ کو شاہین سے لڑا دو

یہ صرف خدا کا پیغام فرشتوں کے نام ہی نہیں بلکہ یہ اقبالؒ کا پیغام ہے جو ہمارے نام ہے- یہ پیغام صرف تحریر اور تقریر کے ذریعے غریبوں کو جگانے کا ہی پیغام نہیں بلکہ سرمایہ داروں سے لڑنے اور ان کے در و دیوار ہلا دینے کی عملی جدوجہد کی بات بھی اس پیغام میں پوشیدہ ہے- علامہ پرویزؒ نے نظری کام بہت سے بھی زیادہ کر لیا ہے اب کچھ کرنے کا ویلا آچکا ہے-

یہ بات اب طے ہو چکی ہے کہ سرمایہ دار طبقہ' سرمایہ پرستی کے جنوں و خبط میں اس طرح مبتلا ہو چکا ہے کہ خدا لگی کوئی بات اس کے دل کو نہیں لگتی- وہ قوم شعیبؑ کی طرح خدا کو مان تو سکتا ہے لیکن اس کو مان لینے کو قطعی تیار نہیں- یہ طبقہ ایسی نماز تو پڑھ سکتا ہے جس میں خدا کو پوجنے کی چیز Object of Worship کا مقام دیا گیا ہو لیکن اس صلوٰۃ کو کبھی قبول نہیں کر سکتا جو ان کے مال متاع میں بتصرف رکھتی ہو- جب صورتحال یہ ہو تو کیا کرنا چاہئے- میرے خیال میں اس کا واحد علاج یہ ہے کہ نوجوان روشن خیال تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص وہ طبقہ جو اپنے فکر و شعور کو قرآنی شعاعوں سے منور کر چکا

ہے- وہ ہمارے مزدوروں اور کسانوں کے طبقاتی شعور کو بلند کرے۔ تاکہ وہ اپنے معاشی حقوق کے حصول کی جنگ لڑ سکیں-

جب ایشیا دنیا کے مختلف خطوں میں مارکسوی انقلابی کر سکتے ہیں- تو ہم محمدؐ کے ماننے والے ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟- ہمیں بہرحال اب اس جدوجہد کا آغاز کرنا ہو گا جو۔ کنجشک فرومایہ کو شاہین سے لڑا دو-- کی آئینہ دار ہو- اور جس سے کاخ امراء کے در و دیوار صرف ہلیں ہی نہیں بلکہ مسمار ہو کر رہ جائیں- ہماری معاشی بیماریوں کا یہی ایک علاج ہے-

بزم کویت

(اعداد و شمار کے آئینے میں)

1-	منعقدہ اجلاس	90
2-	تجاویز جو زیر بحث آئیں	78
3-	کام جو سرانجام دیئے	55
4-	فراہمی زر	19554 دینار
5-	فروخت کتب	1451 دینار
6-	فروخت پرچہ	150 دینار
7-	تعداد اراکین	59

بزم طلوع اسلام کویت نے گذشتہ دنوں اکبر سعید کی رہائش واقعہ مولی پر دعوت افطار کا اہتمام کیا جس میں لوگوں کی کافی تعداد نے شرکت کی' اس موقعہ پر نمائندہ بزم عبدالرحمان آرائیں نے تمام حاضرین کو خوش آمدید کہا اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا جبکہ بشیر احمد عابد نے طلوع اسلام کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عارف ذوالقرنین (جھنگ)

میں نے قرآن سے کیا سیکھا؟

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا (59/21)

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل فرما دیتے تو اس (پہاڑ) کو بھی گرا ہوا، پھٹا ہوا دیکھتا

قرآن کریم سے مقدس، محترم اور عظیم کتاب کے بارے میں کچھ کہنا یا لکھنا ایک بڑی سعادت ہے۔ حسن اتفاق ہے کہ آج مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ میں اس نازک موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں کہ میں نے قرآن سے کیا سیکھا؟

قبل اس کے کہ میں بتاؤں کہ میں نے قرآن سے کیا سیکھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن کا تعارف کرا دوں۔ اور یہ بھی وضاحت کر دوں۔ کہ قرآن سے سیکھنے کی یا قرآن فہمی کی کیا اہمیت ہے۔ تاکہ موضوع تشنہ نہ رہ جائے۔

قرآن کریم دراصل اس قدر مکمل کتاب ہے کہ خود قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ **لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ** 6/59 (پ 7 انعام 7)۔ یعنی کوئی تر یا خشک (چیز) ایسی نہیں جس کا ذکر واضح کتاب قرآن مجید میں نہ کیا گیا ہو۔ پھر ارشاد ہوا **تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** (پ 4 النحل 12)۔ یعنی ہر چیز کا تبیان موجود ہے۔ بیان نہیں تبیان، بیان صرف اظہار کرنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ تبیان سے مراد ایسا واضح اور روشن بیان ہے جو قابل قبول ہو اور کوئی اس کا انکار نہ کر سکے۔ سورۂ انعام میں اعلان ہوا۔ **وَمَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ** [illegible] اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔ **وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** اس میں ہر چیز کی تفصیل [illegible] ہے پس معلوم ہوا کہ قرآن مجید اس قدر کامل، اکمل، مکمل، واضح اور روشن کتاب ہے کہ جس میں قیامت تک کے جملہ احکام و ضروریات اور علوم و معارف نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ موجود ہیں تاکہ نوع انسانی تا ابد اس سے ہدایت و راہنمائی حاصل کرتی رہے۔

خود بارگاہ خداوندی کی جانب سے قرآن سے کچھ سیکھنے اور نصیحت حاصل کرنے کی دعوت عام ہے۔ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** (54/17)۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت (حاصل کرنے) کے لئے آسان بنایا ہے۔ کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

ملاحظہ فرمایئے کتنی کھلی دعوت ہے۔ تمام دنیا بلکہ تمام کائنات کے لئے بلا امتیاز رنگ و نسل، ذات برادری، فرقہ و مسلک جس کا جی چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کرے۔ مقام افسوس ہے کہ اقوام مغرب نے اس کھلی پیش کش سے فائدہ اٹھا کر ترقی کی بہت ساری منزلیں طے کر لیں مگر ہم نے قرآن سے نصیحت حاصل کرنے کی بجائے اسے منفی مقاصد کے لئے استعمال کیا اور پیچیدگیوں میں الجھ کر راہ گم کر بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (2/26)

بہت سے لوگ اس (قرآن) سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے ہدایت پا جاتے ہیں اور اس سے فاسقوں کے علاوہ کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ (القرآن) یہ بات بھی واضح رہے کہ قرآن کسی گمراہی کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ گمراہ ہونے والے کی بدنیتی یا بدعملی اسے گمراہ کرتی ہے۔ کیونکہ خدا نے قرآن کو سند عطا کی ہے۔ **اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ** (17/9) یہ قرآن ایسے راستے کی جانب ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔

ادارہ طلوع اسلام کا یہ مقابلہ مضمون نگاری کوئی روایتی پروگرام نہیں بلکہ یہ ایک نازک اور اہم سوال ہے۔ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم نے قرآن سے کیا سیکھا؟ یہ سوال صرف مقالہ نگار سے، مجھ سے یا آپ سے نہیں بلکہ ہر اس شخص سے ہے جو مسلمان ہونے کا دعویدار ہے۔ جو اسلام کا نام لیوا ہے۔ جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔ جو قرآن کو کتاب رشد و ہدایت تسلیم کرتا ہے۔

آج ہمیں خود اپنا احتساب کرنا ہے۔ کیونکہ اگر آج ہم نے اپنا احتساب نہ کیا تو آنے والی نسلیں ہمارا گریبان جھنجھوڑ کر خود ہم سے پوچھیں گی کہ بتائیں آپ نے قرآن سے کیا سیکھا؟ اگر اس مرحلے سے بچ بھی گئے تو روز قیامت خود داور محشر کے حضور قرآن ہم سے سوال کرے گا کہ اے قرآن کے نام لیواؤ تم جو مجھے کتاب رشد و ہدایت سمجھتے تھے، تم نے مجھے جزدانوں میں لپیٹ طاق نسیاں کیوں کئے رکھا۔ تم نے مجھ سے ہدایت کیوں حاصل نہ کی؟

مجھے اعتراف کرنے دیں۔ کہ ہم نے قرآن سے رشد و ہدایت حاصل کرنے کی بجائے قرآنی تعلیمات پس پشت ڈال دیں۔ قرآن کے علوم و معارف سے فیضیاب ہونے کی بجائے اسے فرقہ پرستی کے لئے استعمال کیا۔ قرآن کے حوالے دے دے کر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالی اور فتویٰ بازی کا بازار گرم کیا۔ مساجد میں قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے کے بعد اس کا غلط ترجمہ پیش کیا گیا تاکہ قرآن کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ سندھ میں جاگیر اور زمین بچانے کے لئے لڑکیوں کی شادیاں قرآن کے ساتھ کی گئیں۔ سرکاری تقریبات ہوں یا نجی محافل حتیٰ کہ ناچ گانے تک کی تقاریب سے پہلے تلاوت کر کے قرآن کا تقدس پامال کیا۔ قرآن میں جن جن قوموں پر عذاب نازل کرنے کا ذکر ہے ان کی تمام برائیاں ہم میں موجود ہیں۔ جھوٹ، چوری، چکاری، ڈاکہ زنی، غیبت، چغل خوری، والدین کی نافرمانی، بہتان طرازی، ریاکاری، دھوکہ دہی، فریب غرضیکہ ہر برائی جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ہم میں آج بھی موجود ہے۔

اگر بزعم خویش ہم قرآن سے درس حیات لینے کے دعویدار ہیں۔ تو اخبار ہمارے سیاہ کارناموں سے کیوں بھرے ہوتے ہیں۔

درس قرآن تو امن و آشتی کا پیام ہے۔ قرآن ہمیں استقامت کا درس دیتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہے۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہمیں قرآن کی تعلیم دی۔ جیسا کہ سورہ رحمٰن کے آغاز میں کہا گیا ہے۔

الرحمٰن ○ علم القرآن :- بہت زیادہ رحم کرنے والی ذات ہے (جس نے) قرآن کی تعلیم دی۔ آیئے

غور کریں قرآنی تعلیمات کیا ہیں۔

یایھا الذین امنوا لا تتبعوا خطوت الشیطن (24/21)

اے ایمان والو شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔

ایک جگہ اہل ایمان کو قول و فعل میں تضاد برتنے سے اجتناب کرنے کو کہا گیا ہے۔

یایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون (61/2)

اے ایمان والو وہ کہتے کیوں ہو جو تم نہیں کرتے۔

ایک جگہ نیک مومنوں سے اجر عظیم کا وعدہ یوں کیا گیا۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت لھم اجر غیر ممنون (41/8)

سورہ توبہ میں سچ بولنے کی تلقین یوں کی جاتی ہے۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین (9/119)

وقت کی قلت کے سبب انہی چند مثالوں پر اکتفا کروں گا۔ وگرنہ قرآن مجید تو مکمل ضابطہ حیات ہے اور جیسا کہ میں نے آغاز میں کہا ہے۔ ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے بھرپور راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، سفر کرنے، پڑھنے لکھنے، جنگ و جدل اور عبادت سمیت تمام امور کے آداب سکھاتا ہے۔

اب بھی وقت ہے ہم اپنے تمام امور کو اُن تعلیمات کے مطابق بجا لائیں۔ اور قرآن سے راہنمائی حیات لیں ورنہ وہ وقت دور نہیں جب ہمیں اپنا بویا کاٹنا پڑے گا۔

اگر ہمیں معاشرے کا حسن برقرار رکھنا ہے۔ اپنے دیس کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانا ہے۔ اخوت و محبت کا بیج بونا ہے۔ فرقہ واریت کو ختم کرنا ہے۔ صوبائیت اور لسانیت کا قلع قمع کرنا ہے۔ غرور و تکبر اور انا پرستی کے بتوں کو پاش پاش کرنا ہے۔ تو قرآن کو اس کا صحیح مقام دینا ہو گا۔

لوگ دین سے بے گانہ ہو رہے ہیں۔ مغرب کی چمک اور سائنسی ایجادات ان کے قلب و دماغ پر گہرے نقوش بنا چکی ہیں اور قرآن مجید کو خاکم بدہن ایک ناقابل عمل دقیانوسی خیالات کی حامل کتاب سمجھ کر پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآنی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ اس کی صحیح اور حقیقی روح سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ تاکہ بھٹکا ہوا مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کر سکے۔

خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ کہ ہمیں قرآن فہمی کی توفیق عطا فرمائے۔ اور گمراہی سے بچائے۔ کیونکہ قرآن کے بغیر بحیثیت مسلمان جینا ممکن نہیں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

(اقبال)

(طلوع اسلام کنونشن 95ء میں پیش کئے گئے مقالے کی تلخیص)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منظور احمد خان (ناروے)

تکلّف بر طرف

"ہماری مادری زبان اردو نہیں' پنجابی ہے ! پشتو ہے ! سندھی یا بلوچی ہے ! اردو ہرگز نہیں ہے ! " ایک اور صاحب فرماتے ہیں : "یہاں ناروے یا یورپ کے سکولوں میں بھلا ہمیں اردو پڑھنے پڑھانے کی کیا ضرورت ہے' ہمارے بچوں نے کون سا اردو میں امتحان دینا ہے؟" ایک تیسرے حضرت مصرع جوڑ' شعر مکمل کرتے ہیں : "اردو تو دہلی یا لکھنؤ وغیرہ کے ہندوستانیوں کی زبان ہے' یا زیادہ سے زیادہ ہمارے ہاں کے مہاجروں کی "قومی" زبان-- ہماری "قوم" تو پختون یا پنجابی وغیرہ ہے' ہمیں ان سے کیا لینا دینا؟" یہ ہے وہ مختصر' دو ٹوک اور سیدھا سا رد عمل' اس سوال کے جواب میں کہ ہمیں یہاں (ناروے) کے سکولوں میں اپنے بچوں کیلئے مادری زبان (اردو) کی تعلیم و تدریس کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

اطلاعاً" عرض ہے کہ ابھی پچھلے سال تک' یہاں (ناروے) کے سرکاری سکولوں میں اردو پڑھائی جاتی رہی ہے' گو لازمی طور پر نہیں' بلکہ سرکار کی طرف سے-- ایک پیش کش (Offer) کے طور پر-- اب یہ عنایت اٹھا لی گئی ہے-- تاریخ گواہ ہے کہ بخشش و خیرات کا ہمیشہ یہی حشر ہوا ہے--

ناروے میں پرائیویٹ سکول بھی ہیں اور بہت کم تعداد میں' لیکن یہ کسی نام نہاد Standard یا معیار کی غرض سے نہیں قائم کیے گئے' بلکہ خالص مذہبی بنیادوں یا بڑی طاقتوں (World Masters) کے یہاں عارضی "ملازمین" کے بچوں کیلئے کھولے گئے ہیں- یہاں کے اپنے سرکاری سکولوں کا معیار' ہر لحاظ سے انتہائی اعلیٰ درجے کی مثال اور نمونہ ہے جس کا فخریہ اظہار یہ لوگ علی الاعلان کرتے رہتے ہیں- یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہاں کی تعلیم و تدریس' دو اور صرف دو بنیادی اصولوں پر قائم ہے- اولاً" مساوی و یکساں اہمیت (Likeworthy) سب کیلئے' اور دوئم' انفرادی قابلیت و صلاحیت کے مطابق تدریس' یعنی Adaptability_ یہ دو اصول ایسے راسخ ہو چکے ہیں کہ ان پر انگلی اٹھانا تو درکنار' ان پر مزید بحث تک کی گنجائش نہیں- یہ گویا ان کے لئے قرآنی آیات کا درجہ رکھتے ہیں- بحث کی گنجائش شاید اس لیے نہیں ہے کہ یہاں تک پہنچنے کیلئے انہیں صدیاں لگی ہیں--

یہ بات قابل غور ہے-- احساس ندامت و خفت سے سر جھک جاتا ہے-- کہ تعلیم و تدریس اردو' جس کی بنیاد 1973ء میں ایک تعلیمی اصول کی روشنی میں' نارویجن اتھارٹی نے رکھی تھی-- خود ہم نے' اپنے ہی ہاتھوں اکھاڑ پھینکی-- جی ہاں ! خود ہم نے' اپنی نااہلیوں اور عاقبت نااندیشیوں کی بنا پر اردو زبان کو دیس نکالا دے دیا ہے-- 73ء کی بات ہے- پاکستانی ابھی چند سو ہی کی تعداد میں تھے (آج 25 ہزار سے تجاوز کر چکے ہیں)- تعلیم کے ایک بنیادی

اصول کے مطابق (بچے کے علم و شعور کی خاطر' ذریعہ تعلیم اگر اس کی اپنی مادری زبان ہو یا اگر وہ پہلے اپنی مادری زبان سیکھ لے' تو پھر اس کے لیے نہ صرف عمومی علوم جاننا سہل ہو جاتا ہے' بلکہ اپنی مادری زبان کی بنیاد اور روشنی میں وہ کسی بھی دوسری یا اجنبی زبان کو بہت جلد اپنا سکتا ہے۔ دنیا کے تمام مفکرین تعلیم اور ماہرین لسانیات اس اصول پر پوری طرح متفق ہیں' ہمیں تو تب اس کا احساس و خیال تک نہ تھا---) انہوں نے ہمارے بچوں کیلئے اردو کو ہماری مادری زبان سمجھتے ہوئے رائج کر دیا۔ پھر کیا ہوا؟ یہ سوچ کر اپنی چھوٹی اور جھوٹی عصبیت پر آج ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو تیرہ و ظلمت زدہ قبروں سے باہر نکل' رنگین جہالت کے مزاروں میں سر عام ناچ رہی ہے-- وجد آفریں رقص جذبات' جہاں عقل و شعور کا کبھی گزر نہیں ہو سکتا کہ حیا و شرم نے انہیں روک رکھا ہے--

اکثر والدین کی طرف سے' اردو کی تدریس کے سلسلے میں غیر دلچسپی کا مظاہرہ مسلسل ہوتا رہا۔ بچوں کی اردو تعلیم کی طرف توجہ دی نہ کبھی دلائی۔ نہ ہی اردو کے اساتذہ سے اس ضمن میں کوئی رابطہ قائم کیا گیا نہ کسی حوصلہ افزا ردعمل (Response) کا تاثر ہی دیا گیا۔ تاثر البتہ یہ دیا گیا کہ "تمہاری نوکری تو ہماری کشادہ ظرفی اور فراخدلی کی مرہون منت ہے' ہم خاموش ہیں کچھ نہیں کہتے' ورنہ ہمیں ضرورت ہی کیا ہے یہاں اردو کی؟" بہت سے والدین ذرا اور آگے بڑھے اور خود جا کر پرنسپل وغیرہ سے کہا : "ہماری مادری زبان تو پشتو یا پنجابی وغیرہ ہے' اردو تو نہیں جو ہمارے بچوں کو اردو استاد کے پاس بھیجا جا رہا ہے-" جونہی یہ شوشہ چھوڑا--' یہاں کی انتظامیہ کو شہ بھی مل گئی اور یہاں یہی ہاتھ آگیا کہ : "اصول تدریس کی رو سے' بطور [illegible] مادری زبان ضروری ہے نہ کہ-- "خود ساختہ" لولی قومی زبان' اردو پاکستان کی قومی زبان ہے' یہاں آنے والے پاکستانیوں کی مادری زبان نہیں ! للذا اس کی تعلیم و تدریس غیر ضروری ہے-" چلئے ! قصہ پاک !

یہاں ایک اور تکلیف دہ حقیقت بھی نوٹ فرما لیجئے' شاید تاریخ لکھنے میں کام آسکے-- کہ انتظامیہ کے اس قسم کے خیالات و بیانات کے مدنظر' یہاں کے باشعور و درد مند نارویجن اساتذہ نے' جو براہ راست تعلیمی تجربات و مشاہدات سے گزر چکے ہیں' ایک بار نہیں' کئی مرتبہ پاکستانی بچوں کے بہتر معاشرتی اور تعلیمی مستقبل کی خاطر' اردو کی تعلیم کو قائم رکھنے کیلئے احتجاجی مظاہرے اور مذاکرے منعقد کروائے' اور آپ یہ پڑھ کر حیران بھی ہونگے اور پریشان بھی کہ-- وہاں ان بڑے بڑے ہالوں میں (یہاں اس پیمانے کے ہال کا کرایہ صرف چند گھنٹوں کیلئے 50 ہزار روپے سے کم نہیں ہوتا) ہم پاکستانیوں کی تعداد صرف ایک فیصد تھی-- ع ہم بھی وہاں موجود تھے' منظور تھا پردہ ترا---- پھر کیا ہوا؟ وہی جو ہونا چاہئے تھا' کہ بلدیہ کی متعلقہ انتظامیہ نے آخر کار پچھلے سال حتمی فیصلہ صادر فرما دیا کہ اردو پر اٹھنے والا بجٹ' اب نارویجن زبان کو پختہ تر کرنے پر خرچ کیا جائے گا--- اس ضمن میں سب سے زیادہ تکلیف دہ بلکہ باعث شرم حقیقت یہ ہے کہ اس اعلان بے نیاز کے خلاف ہم پاکستانیوں کی جانب سے-- کوئی ایک آواز' کوئی ایک فریاد یا صدا' کوئی ایک لفظ تک بلند نہ ہوا-- اور خاموشی' مکمل خاموشی چھا گئی-- (یہ خاموشی بڑا اچھا وطیرہ اور کارآمد حربہ

... بولیں گے نہ کسی کو بولنے کا موقع ملے گا۔۔ اس طرح مجرم کو مظلوم سمجھنے کے Chances بھی نکل آتے ہیں۔۔)

آج یہاں کے سکولوں میں اردو نہیں پڑھائی جاتی۔ اس کی تعلیم و تدریس تقریباً مکمل طور پر روک دی گئی ہے' اور متعلقہ اتھارٹی کی طرف سے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ چونکہ یہاں کے غیر ملکیوں نے ساری عمر اب یہیں رہنا ہے لہٰذا' ان کے لیے صرف نارویجن ضروری ہے اور بس۔۔۔ آج سکولوں میں اردو دان پاکستانی اساتذہ تو یقیناً موجود ہیں لیکن' جن کی خاطر یہ رکھے گئے تھے۔۔ وہ موجود نہیں رہی۔۔۔

مجنوں پھرے دیوانہ' کہ ہائے لیلیٰ!
لیلیٰ پھرے مستانہ' کہ ہائے دیوانے! تو کدھر؟

اب پاکستانی اساتذہ کا سکولوں میں مصرف صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ دوسرے نارویجن اساتذہ کی معیت میں رہ کر پاکستانی بچوں کو مشکل الفاظ یا کوئی مشکل موضوع' ان کی زبان میں مختصر طور پر سمجھا دیا کریں' کمزور ترین طلبا کو چند گھنٹوں کیلئے علیحدہ کر کے انہیں ریاضی وغیرہ کرا دیا کریں یا۔۔۔ سکول کی جانب سے والدین کے لئے تحریری ہدایات و پیغامات کا ترجمہ کر دیا کریں۔۔ (اکثر والدین نے شکایت کی ہے کہ انہیں پیغامات وغیرہ نارویجن زبان ہی میں روانہ کیے جائیں یا ٹیلی فون پر۔۔۔ کیونکہ یہ اصطلاحی قسم کی اردو ان کی سمجھ سے باہر ہے۔۔) ان اساتذہ کرام کو تاہم "ذولسانی اساتذہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔۔

قومی یا مادری زبان کے فرق اور تطابق کو ہمارے ہاں یا تو سمجھا نہیں گیا یا قصداً ایک خاص ذہنیت کے پیش نظر اس میں الجھن پیدا کر دی گئی ہے' حالانکہ بات بڑی سیدھی اور صاف ہے اور پھر ایک پاکستانی مسلم کیلئے تو اس میں کسی بھی الجھن کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی' لیکن افسوس کہ ہم میں سے اکثر نے 'پاکستانیت' کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم یونہی ان چھوٹے چھوٹے عمومی مسائل میں الجھ کر اپنا اور اپنی قوم کا نقصان کر بیٹھتے۔

مادری زبان کسے کہتے ہیں؟ اس میں مفکرین مغرب و مشرق نے عرصہ دراز تک اختلاف کیے رکھا۔ کسی نے اسے ماں کی زبان سے منسوب کیا اور کسی نے سکول و تعلیم کی زبان سے۔ کسی نے اسے بچے کے مخصوص پیدائشی علاقہ و قبیلہ سے منسلک کیا' اور کسی نے ملک و قوم کیساتھ اس کا رشتہ استوار کیا' وغیرہ وغیرہ۔ اب کہیں جا کر' صدیوں بعد' یہ ماہرین تعلیم و لسانیات ایک' کسی حد تک متفقہ' تعریف (Definition) پیش کر سکے ہیں کہ مادری زبان کی تعریف میں صرف وہی زبان آئے گی جو بچے کی پہلی سنی' سمجھی اور بولی جانے والی زبان ہو گی چاہے وہ اسے اپنے گھر سے شروع کرے' سکول یا معاشرے میں بولے سنے یا کسی غیر ملک میں اس کی ابتدا کرے۔ یہ وہی زبان ہے جس میں ایک انسان' اپنے غم و غصے اور خوشی و مسرت کا نہ صرف خود بھرپور اظہار کر سکے بلکہ اپنے بالمقابل انسان کے بھی ہر قسم کے خیالات و جذبات کو محسوس کر سکے جو لفظوں' محاوروں یا استعاروں وغیرہ میں بیان ہوں۔ خیال رہے کہ بات کو سمجھ لینا یا سمجھا دینا اور بات ہے' لیکن بات کا مع جذبات باہمی انتقال (Communication) بالکل دوسری بات ہے۔ اور یہ لطف و لطافت صرف اسی زبان کی بدولت حاصل کی

جا سکتی ہے جو کسی بھی حوالے سے انسان کے ساتھ ساتھ رہی' پیدائش سے بچپن' بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی تک- مادری زبان کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ یہ زبان اس کی ماں بولتی ہے یا باپ' استاد بولتا ہے یا دوست- مادری زبان وہی ہے جو اس نے پہلے پہل سنی' سمجھی اور بے ساختہ بولی- ماں بھلے پنجابی بولتی ہو اور باپ پشتو' لیکن دیکھا گیا ہے کہ بچے بڑی روانی اور آسانی کیساتھ اپنے ہی والدین اور دوستوں کیساتھ اردو بول رہے ہوتے ہیں کیونکہ والدین نے شروع ہی سے ان کیساتھ یہی زبان بولی تھی- اور دلچسپ بات یہ کہ بچے گھر میں بولی جانے والی کسی بھی دوسری زبان کو بھی جانتے' بوجھتے اور بول سکتے ہیں-

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے بچے بڑی آسانی کیساتھ اردو کو قومی زبان کیساتھ ساتھ اپنی مادری زبان بھی بنا سکتے تھے' اپنے والدین کی مادری زبان بھی ان کے ساتھ رہتی اور ان مضبوط و دیرپا بنیادوں کے سہارے وہ کسی بھی دوسری غیر ملکی زبان کو بھی بہتر طور پر سیکھ سکتے تھے- لیکن ہم نے کیا کیا؟ قومی زبان کو قوم ہی کے پاس رہنے دیا' اپنی مادری زبان اپنے تک محدود رکھی اور بچوں کو-- نارویجین' فرانسیسی اور انگریزی وغیرہ بطور مادری زبان ولائتی تحفہ عطا کر دیا-- تو کیا ہوا؟ ہوا تو کچھ نہیں' صرف پاکستان اور پاکستانیوں کے ساتھ رشتہ اخوت و مودت ٹوٹ گیا ہے- کروڑوں انسانوں ہی سے نہیں' پورے برصغیر سے تعلق منقطع ہو گیا ہے- یہ لوگ اپنے اردو لٹریچر سے مکمل طور پر محروم ہو گئے- اپنے بڑے بزرگوں اور قریب ترین رشتہ داروں کیساتھ باہمی پیار اور دو طرفہ جذبات بھرے الفاظ کی چاشنی سے ناآشنا ہو گئے- نہ ان کے ساتھ [illegible] سکتی ہے نہ ہی سلسلہ ٹیلی فون استوار کیا جا [illegible] یہ تو شاید پھر بھی معمولی زیاں ہو' ہم تو غیر [illegible] حمیت قومی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں--- لیکن کیوں؟ کس لیے؟ کس کی خاطر؟ کیا ملا اس کے بدلے میں ہمیں؟ کبھی آرام سے بیٹھ کر' ٹھنڈے دل کیساتھ سوچئے گا-- ہائے یہ احساس کمتری ! اف یہ تیری جاہلیت اور جلد بازی !

کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ایک امریکن یا جرمن وغیرہ' یہاں آکر بھی اپنی قومی زبان سے دستبردار کیوں نہیں ہوا؟ پہلے تو انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی کہ وہ اتنی تعداد میں یہاں مستقل قیام کیلئے نہیں آئے- انہوں نے اپنی افرادی قوت و صلاحیت اتنے بڑے پیمانے پر' یا اس طرح تھوک کے حساب سے نہیں بیچی--- جو تھوڑے بہت آئے' اپنے اپنے علیحدہ سکول کھول لیے کہ ہر آنے جانے والے کی تعلیمی ضرورت ان کی اپنی زبان و خیال کے مطابق پوری ہوتی رہے- لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ اپنی قومی زبان وغیرہ سے ان کے دستبردار نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ قومیں احساس کمتری کا شکار نہیں-- انہیں اپنی زبان و ثقافت پر "فخر" ہے جس کا مظاہرہ وہ دھڑلے کیساتھ کرتے ہیں- (فخر نہ کریں تو "بے چارے" اور کیا کریں اپنے قیام تشخص کیلئے؟)

ہم نے دیکھا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی دیکھا ہے' کہ ایک سعودی عرب کا عرب جب بھی یہاں Visit وغیرہ کیلئے آیا' اس نے اپنا چوغا نما لباس کھلے عام زیب تن کیے رکھا- کیوں؟ اس لیے کہ اسے کسی بھی قسم کا احساس کمتری نہیں بلکہ الٹا احساس برتری

... پنے کا ارا کہ اگر ہم پاکستانی بھی آج ایک مالی طاقت ہوتے تو کیا پھر بھی-- ہمارا رویہ--- اپنی اردو وغیرہ کیساتھ یہی ہونا تھا؟ Never_ ثابت یہ ہوا کہ اپنے شعائر قومی کیساتھ ہماری اس سرد مہری کی وجہ جاہلیت کے علاوہ ہماری احساس کمتری بھی ہے- یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آگیا- ایک دفعہ یہاں کی گرمیوں میں' (سردیوں میں قطعاً" نہیں' کہ تب تو قریبا ناممکن ہوتا ہے) ایک پاکستانی دوست نے شلوار قمیض پہن کر باہر سیر کیلئے نکلنا چاہا- اس "غریب" کا ایسا کرنا ہی تھا کہ ایک دوسرے دوست نے اتنا برا منایا کہ اس کے ساتھ باہر نکلنے سے ہی انکار کر دیا- یہ احساس فروتنی نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ شلوار قمیض یہاں کی گرمیوں کیلئے نہایت موزوں اور انتہائی مناسب لباس ہے جسے خود یہاں کے مقامی لوگ بھی پسند کرتے ہیں- یہاں واضح کرتا چلوں کہ لباس' زبان یا کلچر وغیرہ' خدا نہیں ہیں جو ہر حالت میں ان کے ساتھ چمٹے رہنا پڑے-- لیکن علامت غلامی بھی ہرگز نہیں کہ بلا وجہ اتار پھینک دیے جائیں--

زبان' وطن' نسل یا ذات وغیرہ' کتنی بار دہرایا جا چکا ہے کہ ایک مسلم کیلئے تعارف و رابطہ کے ذرائع ہیں- یہ حقیقتیں فی ذاتہ نہ مقاصد ہیں نہ ہی وجہ تشخص مسلم- ایک باشعور مسلمان کا تشخص (Identity) صرف اور صرف اس کا نظریہ اسلام (Islamic Idealogy) ہے یا مستقل اقدار خداوندی جو قرآن کریم میں محفوظ ہیں- ہاں ! لیکن ذرائع کا تحفظ بھی اسی طرح لازمی بلکہ بعض صورتوں میں لابنفک ہو جاتا ہے جس طرح انسانی ذات کی نشوونما کیلئے جسم کا تحفظ- جسم نہیں ہو گا تو ذات کا قیام اور اس کی قیامت کہاں برپا ہو گی؟ افسوس کہ قوم مسلم کی اکثریت نے اکثر یہاں ٹھوکر کھائی' مقصد کو نظر انداز کرتے ہوئے ذریعے ہی کو مقصد بنا لیا گیا اور جب ذریعہ بھی بے مقصد رہا تو اسے بھی توڑ پھوڑ ڈالا-- عرض ہے کہ ہیں تو یہ دونوں ضروری' لیکن ان دونوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھنا ازحد ضروری ہے ورنہ ہمیشہ وہی ہوتا رہے گا جو آج ہو رہا ہے- وضاحتاً" پھر عرض ہے کہ گاڑی یا سواری' منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے خود مقصود بالذات نہیں ہوتی' تاہم سواری کا "تن درست" ہونا بھی بے حد لازمی ہے-

پاکستان میں' اردو کا بطور قومی زبان انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے ہمارے پاس صرف یہی ایک اور یکتا' مشترک اور سہل ترین ذریعہ تھا تمام صوبوں کے درمیان باہمی رابطہ کا- پنجابی یا بنگالی ہماری کوئی شریک شریکہ تو نہ تھیں جو انہیں بطور قومی زبان نہ منتخب کیا گیا' وجہ یہ تھی کہ یہ اور سب دوسری زبانیں بہت محدود اور محض علاقائی زبانیں تھیں' سب پاکستانیوں کیلئے مشترک اور قابل فہم نہیں تھیں- یہ ساکھ و برتری (Credit & Advantage) صرف اردو کو جاتا ہے کہ اسے پاکستان کے ہر صوبے میں لکھا پڑھا اور سمجھا بولا جاتا ہے- للذا مختلف ثقافتوں کے حامل متعدد علاقوں یا صوبوں میں باہمی رشتہ اخوت کی ضرورت صرف اردو ہی پورا کر سکتی تھی اور کر سکتی ہے-

اے کاش ! ہمارے بنگالی بھائی اس نکتے کو سمجھ سکتے- صرف قرآنک آئیڈیالوجی اور اس کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے- فراخدلی و کشادہ ظرفی خود بخود پیدا ہو جاتی' اور اردو کو محض رابطے کا ناگزیر ذریعہ سمجھتے اور تسلیم کرتے ہوئے بنگالی زبان کا اس انداز سے

مطالبہ نہ کرتے-- آج ہم سب ایک ساتھ رہتے- دیکھا آپ نے کہ بظاہر ایک معمولی سی بات-- کیسے کیسے الم ناک اور شرانگیز نتائج پیدا کر دیتی ہے؟ قائداعظمؒ کی بات' جو اخوت اسلامی ہی کی بات تھی' (ان کی اپنی مادری زبان تو گجراتی تھی) نہ مانی--- آدھا پاکستان ہی ہاتھ سے جاتا رہا-- رہی بات پشتو کی-- تو پشتو کو آج بھی پنجاب والے پتھروں کا کھڑاک سمجھتے ہیں-- حالانکہ پشتو' بقول سرحد کے ایک نامور ماہر لسانیات اور دانشور جناب سید انوارالحق صاحب' کئی دوسری اور بڑی زبانوں کی ماں ہے- (یہ دعویٰ کافی حد تک درست بھی لگتا ہے کہ خود نارویجن زبان میں پشتو کے کئی الفاظ رائج ہیں-) قائداعظمؒ اور کئی دوسرے دانشوران قوم نے کبھی بھی دوسری علاقائی زبانوں یا ثقافتوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا- یہ انکار ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ اسی لیے تو آج بھی پاکستان کے سرکاری سکولوں میں یہ زبانیں بطور اختیاری مضامین پڑھائی جا رہی ہیں-

یہ گلستان وطن کے مختلف رنگین و خوشنما پھول ہیں جن کی شگفتگی ہر حالت میں قائم و دائم رکھی جانی چاہئے' لیکن خیال رہے' کہیں گلاب مغلوب نہ ہو جائے کہ یہی تو فقط واحد و مشترک علامت ہے باہمی محبتوں کی- خوشی کی بات ہے کہ اس سوچ و عمل کو ہم نے پاکستان کے اندر تو یقیناً قائم و استوار رکھا' لیکن صد افسوس کہ باہر آکر بکھر گئے- کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم ملک سے باہر آکر بھی اپنی شناخت بذریعہ قومی زبان کرواتے اور یہاں کے سکولوں میں اردو بطور لازمی مضمون منواتے' خود پہل کرتے اور ثبوت فراہم کرتے اپنی یکجہتی ہی کا نہیں اپنی قومی ناموس و حمیت کا بھی-

ضمناً" یاد آیا کہ پاکستان میں بھی [illegible] کیساتھ !) اردو زبان کو دن دگنی اور رات [illegible] کر رہی ہے' لیکن اس کی خوبصورتی یا [illegible] سنوارنے کی طرف بہت کم دھیان دیا جاتا ہے اور کھلے عام غفلت برتی جا رہی ہے- پاکستان کے [illegible] معیاری اور موقر جریدے اس ناز بے نیازی کا [illegible] بولتا ثبوت ہیں- شاید ہی کوئی پرچہ یا اخبار ہو گا [illegible] مکمل طور پر املا وغیرہ کی غلطیوں سے مبرا منزہ ہو گا- یہاں چند ایک کوتاہیوں کی جانب آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں' کہ مثلاً اردو زبان میں حرف 'گ' کے فوراً بعد 'ذ' کا کہیں بھی نام و نشان نہیں' ایسا کوئی ایک لفظ بھی نہیں' لیکن اس کے باوجود "گذارش" لکھتے ہیں- 'گزارش' ' گزر سے ہے کسی دوسرے لفظ یا مصدر سے نہیں- اسی طرح' کی سے کیے' پی سے پیے' جی سے جیے' لی سے لیے اور چاہ سے چاہیے ہوتا ہے اور ہونا چاہئے' لیکن ہمارے کاتبین بمع ایڈیٹر صاحبان محترم ہمیشہ کیئے' پیئے' جیئے' لیئے اور چاہئے (ہمزہ کے اضافے کیساتھ) لکھیں گے اور نہیں باز آتے-- خیال رہے کہ ہمزہ صرف' مثلاً کھائی سے کھائیے' گائی سے گائیے' پڑھائی سے پڑھائیے' لائی سے لائیے یا آئی سے آئیے وغیرہ میں' ہر جگہ نہیں- ایک اور مثال کہ ' تمھارا' ' ' تمھیں' ' انھیں یا انھوں کو بھی "تمہارا" ' "تمہیں" یا "انہوں" اور "انہیں" لکھا جاتا ہے حالانکہ ھ' ہ' تھ یا دھ وغیرہ جنہیں ہندی حروف کہا جاتا ہے' یہ دو دو حروف ہیں نہیں بلکہ ایک ایک حرف ہیں- یعنی دھوبی میں چار حروف ہیں' پانچ نہیں- املا کی غلطیوں کی علاوہ' جو زیادتی علامت تفریق (Punctuation Marks) یعنی وقفہ (Full Stop)' وقفہ خفیف (Comma) یا ندبہ

وغیرہ (Sign of Exclamation) کیساتھ کی جاتی سر اپنا پھوڑنے کو جی کرتا ہے-- عرض ہے ! ان علامات کا استعمال تقریباً اسی طرح ہے جس طرح انگریزی میں' پھر تو آسان ہو جانا چاہئے تھا؟ لیکن تاہم بے دھڑک غفلت برتی جا رہی ہے- صرف اس لیے کہ یہاں بھلا کون سمجھتا اور نوٹ کرتا ہے ان باریکیوں کو--؟

چند سال پہلے کی بات ہیں' یہاں چند اردو دان محققین تشریف لائے- ان سے سر عام پوچھا گیا کہ اردو کے حروف تہجی (Alphabet) میں مثلاً 'ں' (نون غنہ) نے کونسا ایسا جرم کیا ہے جو اسے کبھی بھی شامل حال نہیں رکھا جاتا؟ حالانکہ یہ فی نفسہ ایک مکمل حرف خوش نوا ہے- افسوس کہ مہمان حضرات اس کا کوئی غیر علمی جواب بھی نہ دے سکے اور یہ کہ کر رخصت ہو گئے کہ یہ مقدمہ مقتدرہ زبان اسلام آباد کے حضور پیش کر دیا جائے گا-- جی ہاں ! مقتدرہ زبان کا صدر دفتر اسلام آباد میں ہے-- انتظار فرمائیے ! آپ کوئی ایک زبان اٹھا کر دیکھ لیں' اس کے حروف خوش الحان (Consonants) یا حروف علت (Vowels) وغیرہ کا باقاعدہ اور واضح تعین کر دیا گیا ہے' لیکن اردو میں؟ ہر دو قسموں کے حروف کی تعداد میں یا تو اختلاف ہے یا اختلاف پر بے تکا اور خاموش اتفاق-- کوئی ہندی حروف (بھ' ھ' تھ وغیرہ) کو شامل پٹی سمجھتا ہے اور کوئی حمزہ (ء) کو خارج از حروف علت-- معافی چاہتا ہوں' جملہ معترضہ کچھ زیادہ ہی پھیل گیا ہے--

بات یہاں زبان و تعلیم کی ہو رہی تھی- بہت کچھ گنوا دینے کے بعد' خدا خدا کر کے اب ہم نے جذب و ادغام (Assimitation) کی جگہ دوش بدوش چلنے (Integration) کی بات شروع کر دی ہے- یہ بات دونوں فریقوں (پاکستانی اور نارویجن) کے نزدیک پسندیدہ اور خوش آئند ہے- خلوت گزیدگی (Isolation) کا عذاب تیرگی اور جلوت زدگی (Crowd Hunger) کی چکا چوند کر دینے والی تمازت' دونوں انتہاؤں اور ان کے تباہ کن نتائج کو اب ہم نے سمجھنا شروع کر دیا ہے- یہ واقعی بڑا مبارک اقدام ہے- لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ادغام قوم سے مستقل طور پر بچنے اور اپنی انفرادیت لیے مسلسل شانہ بشانہ چلنے کے لیے یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہمیں اپنے ہر قسم کے اٹھائے گئے اقدام و عمل سے مکمل آگہی ہو اور ہم اپنے اقدامات کو بحسن خوبی Argue بھی کر سکیں' ورنہ ہمارے سارے خیالات و اعمال یونہی محض رائیگاں چلے جاتے رہیں گے-

اردو زبان کی تعلیم و تدریس کے سلسلے میں' ہماری اپروچ یہی ہونی چاہئے کہ اول تو اس زبان کو ہم سب کی "مادری زبان" کا درجہ دیا جا سکتا ہے کہ ایک تو یہ ویسے ہی پنجابی ہی کی ایک بولی Dialect ہے یا پنجابی اس کا ایک عکس Shade' دوسرے کم و بیش ہر گھرانہ اپنے بچوں کیساتھ اردو بولنے کو ترجیح دیتا ہے- دوم' یہ ہماری قومی زبان ہے اور خود ہمارے ملک میں' دوسری متعدد زبانوں کے علی الرغم' ذریعہ تعلیم اردو ہے- سوم' یہ زبان ہمارے لیے ذریعہ ہے اپنی شناخت و تشخص اور باہمی اخوت و رابطے کا- لہٰذا-- اس کی تعلیم و تدریس کو سکولوں میں دوبارہ رائج کیا جائے اور بطور لازمی مضمون جاری کیا جائے- ضمناً" اس کی تدریس پر سنجیدہ اور قابل اساتذہ کا تقرر ہونا چاہئے' نہ کہ یہ قوم و ملی

ذمہ داری ہر کس و ناکس کے حوالے کر دی جائے-- یہاں ایک بہت بڑی غلطی، یہاں کی انتظامیہ سے بھی سرزد ہوئی کہ ہم میں سے جو بھی پہلے سکول چلا گیا (چاہے وہ کسی بھی کام کیلئے وہاں گیا ہو--) اسے استاد دھر لیا گیا--

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اردو کی تعلیم و تدریس سکولوں میں ہونی چاہئے، مسجدوں میں نہیں- ایک تو یہ کہ یہ ہمارا حق ہے، اور دوسرے صرف اسی طرح اردو کو ایک سنجیدہ اور سرکاری درجہ Status مل سکتا ہے- مسجدوں میں صرف قرآن ناظرہ جاری رکھا جائے لیکن ایک آدھ دن کیلئے، مثلاً جمعہ اور ہفتہ- (ہفتے میں 4/5 دن کیلئے محض ناظرہ پڑھنے جانا اور ہر روز 3/4 گھنٹے صرف کرنا، بچوں کیساتھ بہت زیادتی ہے- نہ انہیں ہوم ورک کرنے کا موقع ملتا ہے نہ ہی کھیلنے کودنے کا، جو تعلیم ہی کی طرح ضروری ہے- واضح رہے کہ اگر صرف یسرناالقرآن کا پہلا قائدہ ہی بچوں کو ٹکا کر پڑھا دیا جائے تو بچے سارا قرآن کریم گھر بیٹھ کر خود بخود پڑھ سکتے ہیں، اگر والدین ذرا سی توجہ فرمائیں تو- اب تو ویسے بھی قرآن ناظرہ پر مبنی وڈیو کیسٹس عام مل رہی ہیں- بچے اگر والدین کے ساتھ صرف دس منٹ روزانہ بیٹھ کر T.V پر ناظرہ ساتھ ساتھ پڑھیں تو انہیں بہترین مہارت حاصل ہو سکتی ہے- یہ کچھ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر لکھ رہا ہوں- اس مقصد کے پیش نظر ایک اور اچھی کوشش بھی عام ہو رہی ہے کہ ہر علاقے کے مقامی لوگوں نے مقامی سکولوں میں ایک کمرہ شام کے وقت مفت حاصل کر کے وہاں کے بچوں کیلئے ناظرہ قرآن کا بندوبست کر دیا ہے- یہ واقعی ایک معقول اقدام ہے اور اس طرح بچوں کا کافی وقت بچ جاتا ہے-)

اردو کے فروغ و ارتقاء اور اس کی [illegible] و اہمیت پر تو کافی بات ہو چکی ہے، اب [illegible] آخر میں اس کا مختصر سا ذاتی تعارف، فقط [illegible] یادداشت کیلئے، بھی ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ عام سوچ یہ ہے کہ 'اردو' ترکی زبان کا لفظ (بمعنی لشکر، چھاؤنی یا فوج) ہے- لیکن بعض محققین، مثلاً آئی- آئی- قاضی کے بقول، یہ آریاؤں کی قدیم زبان کا لفظ ہے اور قدیم فارسی کے علاوہ سندھی میں بھی بمعنی ذخیرہ اور ڈھیر استعمال ہوتا ہے- بہرحال یہ زبان تقریباً آٹھ سو سال قبل، شمالی ہند کی بولیوں Dialects کے علاوہ فارسی عربی سے مل کر وجود میں آئی- تقریباً پانچ یا چھ سو سال تک اس زبان کو ہندی، ہندوی، دہلوی، ریختہ، ہندوستانی، دکنی اور گجراتی کے ناموں سے یاد کیا جاتا رہا- (ہندی کا لفظ بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے) یہ ملی جلی زبان تھوڑے تھوڑے فرق کیساتھ پنجاب، دہلی، یو پی، مالوہ اور بہار میں بولی اور سمجھی جاتی رہی- غالباً سراج الدین خان آرزو نے سب سے پہلے، 1751ء میں، اردو کا لفظ زبان کے معنی میں استعمال کیا- محمد عطا حسین تحسین نے اپنی تصنیف "نو طرز مرصع"، 1798ء میں، اسے اردوئے معلیٰ لکھا- اس سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل، شاہ جہاں نے جب نئی دہلی آباد کر کے شاہی قلعے کو قلعہ معلیٰ کے نام سے موسوم کیا تو عربی، فارسی اور ہندی بولیوں کے اس مجموعے کو، جس کا رواج شاہی لشکر میں ہو چکا تھا، اردوئے معلیٰ کا نام دیا تھا- اس زبان کیلئے ریختہ (فارسی میں ریختہ ملے جلے مرکب کو کہتے ہیں) کا لفظ اس وقت استعمال ہوا جب اردو میں ادبی شان پیدا ہوئی- لیکن یہ زیادہ تر شعر و سخن ہی کے لیے استعمال ہوا کرتا تھا-

اردو کا مولد و مسکن ہندوستان کا کونسا علاقہ تھا' یہ مسئلہ ابھی بحث و تحقیق طلب ہے۔ بہرحال اس کی آبیاری اور ترویج و ترقی میں شمالی ہند کے تمام علاقوں نے حصہ لیا۔ یہیں کے لوگ اسے دکن لے گئے اور یہ وہاں دکنی اور گجراتی کہلائی۔ اس کے فروغ میں حیدر آباد دکن اور پنجاب کی خدمات اتنی ہی اہم ہیں جتنی دہلی اور یو پی کی۔ خصوصاً پنجاب نے اس کے علمی و ادبی خزانوں میں بیش بہا اضافہ کیا۔ اور گستاخی معاف ! اردو کی وسعت و ترقی میں اگر پاک و ہند کے فلمی شاعروں اور گلوکاروں کا نام نہ لیا گیا' تو یہ بڑی زیادتی ہو گی۔

شہر رمضان ابھی ابھی گزرا ہے۔ بڑی برکتوں اور عقیدتوں کا مہینہ۔ مسلمانان عالم کیلئے تو یہ مہینہ انتہائی تقدس و احترام کے علاوہ بے حد خوشیوں اور مسرتوں کا پیغامبر تھا۔ اس مہینے صرف ایمان والوں ہی کو نہیں' بلکہ پوری نوع انسانی کو بلا مزد و معاوضہ ایک مکمل و مستقل آئین حیات Constitution ملا کہ جس پر جتنا بھی فخر و ناز کیا جائے کم ہے' اور دنیا جہاں کے ہزاروں جشن اس پر قربان۔ لیکن۔۔ یہاں ناروے میں' ہر سال ہمارا دل اس ماہ بہت ہی اداس رہتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہم اپنے وطن اور وطن والوں سے دور ہو گئے ہیں' بلکہ اس لیے کہ اول تو ہم اس ماہ کا لطف و کرم ہی محسوس نہیں کر پاتے (ذرا قصہ و کہانی پڑھنے کا تصور ذہن میں لائیے بیچ کھڑے قصہ خوانی کے۔۔) اور دوم اس لیے کہ اردو زبان کی طرح یہاں روزہ اور روزہ داروں کیساتھ بھی۔۔ انتہائی گرمیوں میں متواتر ظلم اور انتہائی سردیوں میں مذاق مسلسل ہو رہا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں یہاں دسمبر جنوری کے مہینوں میں صرف چھ گھنٹے اور جون جولائی کے مہینوں میں بیس بیس گھنٹوں کا روزہ رکھنا پڑتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ وہ مقصد صوم کہاں گیا اور کیسے ہو گا اس کا حصول؟ درد کمر کی بدولت فارغ افراد کیلئے تو کوئی مسئلہ نہیں' لیکن دوسرے نوکر پیشہ لوگ کیا کریں؟ بات صرف اتنی ہے کہ ہم پاکستانیوں کا یہاں پردیس میں' تکلف برطرف ! کوئی مائی باپ ہی نہیں ہے۔

Tolu-e-Islam hosts Iftar party

a section of the participaants

Bazm Tolu-e-Islam hosted an Iftar party at the residence of Akba rSaeed in Hawalli on Thursday. A large number of people attended the party.

KUWAIT.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

قرآن مجید کا جن

ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ کے دسمبر کے شمارہ میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت جناب الحاج محمد اسحٰق قلبی صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے۔ اسے پڑھئے اور یاد کیجئے کہ ماہنامہ طلوع اسلام اس سے قبل اس موضوع پر کیا کچھ نہیں لکھ چکا۔ مگر حیرت ہے کہ جنوں کا ڈرامہ پھر بھی اسی شدومد سے کھیلا جا رہا ہے بلکہ طلوع اسلام پر لگائے جانے والے الزامات میں ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ ان کے مزعومہ جنوں کو جن ہی نہیں سمجھتا۔ مدیر طلوع اسلام

لفظ جن کا سہ حرفی مادہ ہے ج- ن- ن- جن اور اس مادہ کا بنیادی معنی ہے چھپا لینا۔ جیسا کہ سورہ انعام میں ہے۔ ترجمہ۔ جب رات نے اس پر اندھیرا کر دیا۔ اسے چھپا لیا۔ (6/76)

جنتہ میں اسی مادہ جنن سے لفظ جنۃ آیا ہے جس کا معنی ہے ڈھال اور ڈھال کا کام بھی چھپا لینا ہے۔ یعنی جسم کے جس حصہ پر تلوار کی ضرب پڑ رہی ہو۔ ڈھال اسے اپنے نیچے چھپا کر دشمن کے وار سے محفوظ کر دیتی ہے۔

مجنون کا لفظ بھی اسی مادہ جنن سے ہے۔ مجنون پاگل کو کہتے ہیں جس کے شعور کو کسی دماغی بیماری نے ڈھانپ لیا ہو۔ اس لحاظ سے عموماً پوشیدہ چیزوں یا چھپ جانے والی چیزوں پر اسی مادہ کے مشتقات بولے جاتے ہیں۔ مثلاً سانپ جس کی عموماً حالت یہ ہے کہ وہ آنا" فانا" اور دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتا ہے۔ چھپ جاتا ہے اسے جان کہتے ہیں۔ سورۃ قصص میں سانپ کے لئے یہ لفظ عصا موسیٰؑ کے ذکر میں آیا ہے "كَأَنَّهَا جَآنٌّ" (10/27) گویا کہ وہ سانپ جیسا ہے۔

جنین :- کسی بھی جاندار کا بچہ جب تک کہ وہ ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسے جنین کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ جمع کے صیغے میں بانداز ذیل آیا ہے۔ خود نوع انسانی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔ **هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ** (وہ اللہ تمہاری اس حالت کو بھی جانتا ہے جب تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ اسے بھی جب تم ماؤں کے پیٹوں میں بصورت جنین پوشیدہ ہوتے ہو۔) (32/53)-النجم/32

جنتہ :- لفظ' جنت بھی اسی مادہ جین سے مشتق ہے۔ جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین یا تو سبزے سے ڈھکی ہوئی ہو۔ یا وہ باغ اس قدر گھنا ہو کہ اس کی زمین درختوں کے سایہ سے ڈھک جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے قلعوں' تالابوں' محرابوں کی تعمیر اور غوطہ زنی کر کے سمندروں میں سے بحری نعمتیں نکالنے کے لئے جو غیر ملکی ماہرین ان کے بادشاہ کی اجازت سے منگوائے ہوئے تھے انہیں بھی قرآن کریم نے جن

کہا ہے۔

ترجمہ۔ (اور جنوں میں سے ایک جماعت تھی جو اپنے بادشاہ کی اجازت کے ساتھ سلیمان کے کام کرتی تھی۔ ان میں سے جو کوئی ہماری نافرمانی کرتا تھا۔ ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھاتے تھے۔ وہ جن سلیمان کے لئے فوجی اوزار اور قلعوں اور نقشوں اور تالابوں جتنے بڑے بڑے ٹینکوں اور ایک جگہ پڑی رہنے والی بڑی بڑی دیگوں میں سے جو کچھ وہ بنوانا چاہتا بناتے تھے۔ (بلاغ القرآن مارچ 1991ء)

اس آیت میں جنوں سے مراد وہ روایتی قسم کے مزعومہ جن نہیں جو ہیں تو آگ کے بنے ہوئے لیکن دکھائی نہیں دیتے اور وہ اپنی شکلیں بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔ انسان' حیوان' مکھی' مچھر وغیرہ بن جاتے ہیں۔ اپنے اعضاء کو بڑھا بھی سکتے ہیں اور گھٹا بھی سکتے ہیں۔ کراچی میں بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر کشمیر کے باغوں سے تروتازہ سیب توڑ لیتے ہیں۔ غیب دان بھی ہیں۔ انسانوں میں سے اگر کوئی جوان اور خوبصورت لڑکی ان کی نگاہوں میں جچ جائے تو اس کے گوشت پوست اور خون میں داخل ہو کر اسے چمٹ جاتے ہیں اور اسے تگنی کا ناچ نچاتے ہیں۔ یہ سب باتیں عقل و شعور سے کچھ بھی لگاؤ نہیں رکھتیں۔ مگر انسانوں کا خدا جہالتوں کے پیچھے بھاگنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ غور و فکر اور تدبر کی تلقین کرتا ہے۔ جن وہ صاحب ارادہ' صاحب اختیار اور صاحب حکم لوگ ہیں جو لاکھوں انسانوں کو مشقت پر لگا کر 1250 میل لمبی دیوار چین اور محیر العقول اہرام مصر جیسی عمارتیں بنواتے ہیں۔ وہ خود کبھی نظر نہیں آتے۔ صرف ان کا حکم' ان کا کوڑا' اور "الناس" کے شانوں میں دھنسے ہوئے موٹے موٹے رسوں کے وہ نشان نظر آتے ہیں۔ جو بھاری پتھر کھینچنے سے پڑ جاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ تھے جو حضرت سلیمانؑ کے لئے کام کرتے تھے۔ بلکہ الناس سے مشقتیں کرواتے تھے۔

یہ کہنا کہ "جن" غیب کا علم جانتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ سورۃ سبا میں یہی غیر ملکی ماہرین تعمیرات۔ جن کے لئے خدا تعالیٰ نے جن ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مذکور ہے۔ کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے اور آپ کی وفات کی خبر کو سیاسی مصلحتوں کے تحت کچھ عرصہ کے لئے پوشیدہ رکھا گیا۔ تو جب ان جنوں کو حضرت کی وفات کی خبر ملی تو ان کے متعلق کہا گیا ہے۔ ترجمہ۔ (اگر وہ غیب دان ہوتے تو رسوا کن عذاب میں نہ رہتے۔) (14/34)

سورۃ احقاف میں یہود کے عمائدین کو بھی جنوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ خبر دی گئی ہے۔

ترجمہ۔ اور وہ وقت قابل ذکر ہے۔ جب ہم اے رسول آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت پھیر کر لے آئے۔ کہ وہ قرآن سنتے تھے۔ پھر جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔ کہ خاموشی کے ساتھ سنو۔ پھر جب درس قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور انہیں ڈرانے لگے۔ (انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے۔ جو موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور جو سچے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے) (30/46,29/46)۔

آیات بالا سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ یہودی عمائدین تھے۔ جنہوں نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر انہیں کہا۔ کہ حضرت

موسیٰؑ کی کتاب کے بعد نازل ہونے والی کتاب نازل ہو چکی ہے۔ ان یہودی عمائدین کو بھی اس لئے جن کہا گیا ہے کہ وہ شہر میں آئے اور چلے گئے۔ ظاہر ہوئے اور پھر غائب ہو گئے اور وہ یہودی انسان ہی تھے۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ انسانوں کے رسول تھے۔ کسی غیر مری مخلوق کے رسول نہیں تھے۔

کتب روایات میں مزعومہ اور موسومہ غیر مری ناری مخلوق' نام نہاد جنوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان کی خوراک ہڈیاں اور کوئلے وغیرہ ہیں۔ لیکن قرآن کریم سے ثابت ہے۔ کہ جنوں کی خوراک گندم' جو' جوار' باجرا' مکی' چاول' وغیرہ اجناس اور انگور' کھجور' انار' آم وغیرہ میوہ جات ہیں اور کہا گیا ہے۔ کہ اے جن وانس۔ تم ان میووں' کھجوروں اور اناروں میں سے اللہ تعالیٰ کی کونسی نعمت کا انکار کر سکتے ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنوں کی خوراک ہڈیاں اور کوئلے وغیرہ ہیں۔ تو انہیں انگور' کھجور اور انار جیسے میوہ جات کا احسان جتانے کا کیا مطلب؟ اور جب وہ گندم چاول کھاتے ہی نہیں۔ تو ان پر ان چیزوں کا احسان کیسا۔ قرآنی دلائل قاطعہ کے مقابلے میں عوام کے توہمات کی کیا قیمت؟ اب جب قرآنی شہادت کے مطابق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جنوں کی خوراک ہڈیاں وغیرہ نہیں۔ بلکہ ان کی خوراک وہی ہے جو کہ انسانوں کی ہے۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ ان کے الگ باغات اور کھیت کونسے ہیں اور کہاں ہیں۔ کس کرہ ارض پر ہیں؟ جنوں کا کوئی رقبہ کھیتوں اور باغوں کا پایا جاتا ہے؟ جس میں ہل تو چلتے دکھائی دیتے ہوں لیکن ہل چلانے والا جن نظر نہ آتا ہو۔ کنویں کا رہٹ چل رہا ہو لیکن بیلوں کو ہانکنے والا جن دکھائی نہ دیتا ہو ظاہر ہے کہ ان تمام سوالوں کا جواب کوئی نہیں دیا جا سکتا تو پھر یہ ایک طے شدہ بات ہے۔ کہ قرآن مجید کا جن ہرگز ایسا نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ یا جیسا کہ سادہ لوح لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے۔ جن وہی لوگ ہیں جو بہت بڑے بڑے جاگیردار ہیں۔ سینکڑوں مربعہ زرعی اراضی کے مالک ہیں۔ جو خود کبھی بھی کھیتوں میں نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کے کھیتوں میں "الناس" ہل بھی چلاتے ہیں۔ ان کی آبیاری بھی کرتے ہیں۔ ان کی فصل بھی کاٹتے ہیں۔ ہزاروں من غلہ بھی ہر سال ان کے گوداموں میں پہنچاتے ہیں اور انہی جنوں کے کارندوں سے اپنی مزارعت کا حصہ بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن برسوں اپنے آقاؤں' ان جنوں کو دیکھ نہیں پاتے۔ جن کے وہ خدمت گار اور کارگزار ہوتے ہیں۔ جن وہ صاحب اقتدار جابر حکمران تھے۔ جنہوں نے ہزاروں لاکھوں "الناس" کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح مشقتوں پر لگا کر ایک ہزار دو سو پچاس میل لمبی دیوار چین بنوائی' مصر کے اہرام بنوائے' بابل کے معلق باغ بنوائے' روم میں DIANA کا مندر بنوایا' اسکندریہ میں روشنی کا مینار بنوایا۔ جن وہ لوگ تھے جنہوں نے سائبریا کے برف پوش علاقے میں دنیا کی طویل ترین ریل Trans Siberian Railway کی بنا ڈالی۔ جن وہ لوگ تھے جنہوں نے انگلستان میں Reen Golderng سے لے کر S.Wimbledon تک سرنگ (Tunnel) بنا ڈالی۔ جو سولہ میل لمبی ہے اور جس میں سے ریل گزرتی ہے۔ جن وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے مٹی کے پشتے لگا کر ایشیا کا سب سے بڑا ترہیلا ڈیم بنا

اااا بن فرعون تھے۔ نمرود تھے۔ شداد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اشراف مکہ جن تھے۔ جنہوں نے "الناس" مسلمانوں کو اپنی بقاء کے لئے کبھی حبشہ اور کبھی مدینہ بھاگ جانے پر مجبور کیا اور ہمارے اس زمانے میں وہ سیاست دان جن ہیں جو عوام الناس کو ہر وقت ہراساں کئے رکھتے ہیں۔ ملک میں کبھی سکون و اطمینان کی کیفیت پیدا ہونے نہیں دیتے۔ ہارس ٹریڈنگ کر کے جن پر خوش ہوتے ہیں' انہیں کروڑوں دلوا دیتے ہیں اور جو ڈھب پر آتا نظر نہیں آتا' اسے کسی نہ کسی مقدمے میں پھانس کر جیل بھجوا دیتے ہیں۔ وہی جن ہمارے آقا ہیں جو جمہوریت کے نام پر ہمیں الو بنائے رکھتے ہیں اور ہم ان جنوں کی شعبدہ بازیوں سے ہر وقت خائف رہتے ہیں۔ نہ جانے کس وقت کونسا چاند چڑھا دیں۔ پیر اور عامل قسم کے لوگ بھی مفروضہ جنوں کی آڑ میں جو ڈرامے کھیلتے ہیں "الناس" کو ان سے بھی ہوشیار رہنا چاہئے۔

(بشکریہ ماہنامہ شمس الاسلام)

مولانا مودودی مرحوم کی قرآن فہمی

جماعت اسلامی اپنے داغ دھونے اور جماعت کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کے لئے ایک مرتبہ پھر مولانا مودودی کو اس دور کی عہد آفریں اور عہد ساز شخصیت قرار دینے کی فکر میں ہے۔ کہیں ان کا رشتہ تحریک پاکستان سے جوڑا جا رہا ہے اور کہیں ان کی قرآن فہمی کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔

تحریک پاکستان میں ان کا کردار ایک لمبی داستان ہے جو طلوع اسلام کے صفحات پر بکھری پڑی ہے۔ جہاں تک ان کی قرآن فہمی کا تعلق ہے۔ اس کے لئے ان کی پیش کردہ اس تاریخی حقیقت کو سامنے لانا کافی ہو گا جو ان کے مطابق ان کی عمر بھر کی تحقیق کا ماحصل ہے۔ فرماتے ہیں۔

"جس رسم الخط میں ابتدا" نبی صلعمؐ نے وحی کتابت کرائی تھی اور جس میں حضرت ابوبکرؓ نے پہلا مصحف مرتب کرایا اور حضرت عثمانؓ نے جس کی نقل بعد میں شائع کرائی' اس کے اندر' نہ صرف یہ کہ اعراب نہ تھے بلکہ نقطے بھی نہ تھے کیونکہ اس وقت تک یہ علامات ایجاد نہ ہوئی تھیں۔" (ترجمان القرآن جون 59)

اس پر علامہ تمنا عمادیؒ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہر صاحب عقل و ایمان سے میری التجا ہے کہ برائے خدا ذرا غور کیجئے ب ث ت ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ن میں عربی زبان کے 28 حروف تہجی میں سے یہ بائیس حروف ایسے ہیں جن میں امتیاز نقطوں ہی کے ہونے نہ ہونے یا اوپر نیچے ہونے یا کم و بیش ہونے کی وجہ سے ممکن ہے۔ آپ ان حروف کو بلا نقطہ سامنے رکھئے اور بتایئے کہ یہ کیا ہیں؟ ان حروف کو پڑھ کون سکتا تھا؟ مودودی صاحب نے بین السطور کہا یہ ہے کہ قرآن نازل تو بے شک عہد نبویؐ میں ہوا تھا لیکن اسے روح معنی اور صوتی آہنگ خلیفہ عبدالملک اور حجاج نے عطا کی۔

یہ تھے مودودی صاحب جن کے متعلق ان کے مریدوں کا پراپیگنڈہ ہے کہ ان جیسا مفکر اور محقق آسمان کی آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مظہر الحق (راولپنڈی)

بزم طلوع اسلام راولپنڈی

محترم چوہدری نثار احمد نے جو کہ بزم طلوع اسلام راولپنڈی کے نمائندہ ہیں اور میرے محترم دوست بھی۔ میرے ذمہ یہ فرض عائد کیا کہ میں بزم طلوع اسلام کی روئیداد قلمبند کروں۔ میں قلمکار تو ہوں نہیں کہ الفاظ کی سلک مروارید سے اہل قلم حضرات کی طرح اچھی سی کہانی تخلیق کر سکوں۔ تاہم تعمیل ارشاد کی خاطر کوشش کر دیکھتا ہوں کہ حافظہ میں محفوظ یادوں کو زبان قلم سے ادا کر سکوں۔ اگر اس روئیداد میں قابل ذکر واقعات یا حضرات کا ذکر میں نہ کر سکوں تو اسے میرے حافظے کی کمزوری سمجھا جائے۔ احباب بزم سے گذارش ہے کہ اگر انہیں بزم کی اس کہانی میں واقعاتی خلل یا کوتاہی نظر آئے تو از راہ کرم اس سے مطلع کریں تاکہ اس کمی کو پورا کیا جا سکے اور غلطی کی اصلاح بھی ہو جائے۔

دسمبر 1949ء کا ذکر ہے کہ میں بسلسلہ ملازمت کراچی سے راولپنڈی آیا۔ ان دنوں میں مذہبی حادثات کی وجہ سے "لا" کی منزل پر پہنچا ہوا تھا۔ اکثر و بیشتر میں مسلمان بھائیوں سے یہ سوال کرتا کہ جب آپ کے قرآن میں آپ کے اللہ میاں نے وعدہ کر رکھا ہے کہ "تم مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ میں ان کی اور تمہاری روزی کا ذمہ دار ہوں" تو اللہ میاں اپنے وعدہ کے خلاف کیوں کرتا ہے۔ لاکھوں انسان بھوکوں مر جاتے ہیں۔ کیا وعدہ ایفا اس طرح ہوتا ہے۔ مجھے اس سوال کے جواب میں یا گالیاں ملتیں یا پھر پٹائی ہو جاتی۔

خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے محترم غلام مصطفیٰ ڈار صاحب کو جو میرے ہیڈ کلرک تھے۔ وہ میری باتوں کو غور سے سنتے اور نہایت شفقت سے میرے سوالات کا جواب بھی دیتے۔ لیکن اگر وہ بھی میری مرضی کے خلاف کوئی بات کرتے تو میں بھڑک اٹھتا ایک روز انہوں نے مجھے طلوع اسلام کا پرچہ دیا جو غالباً جنوری 1950 کا تھا۔ پرچہ پر "اسلام" کا لفظ دیکھ کر میں نے بڑی گستاخی سے وہ پرچہ موصوف کو واپس کر دیا۔ پرچہ انہوں نے ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ آج اپنے دل پر جبر کر کے میری خاطر اس پرچہ کے ابتدائی صفحات گھر جا کر دیکھ لینا۔ انہوں نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ میں انکار نہ کر سکا۔ دفتر سے گھر گیا۔ فرصت میں پرچہ دیکھا۔ پہلا عنوان تھا "ملاں کا بہشت" عنوان پرکشش تھا اور اس پر طلوع اسلام کا مختصر سا تبصرہ گویا میرے دل کی آواز تھی۔ اس زمانے میں طلوع اسلام خاصا ضخیم ہوا کرتا تھا۔ رات بھر میں وہ ضخیم پرچہ میں نے ختم کر لیا۔ صبح دفتر پہنچتے ہی ڈار صاحب سے گذشتہ روز کی گستاخی کی معافی چاہی اور کچھ اور کی خواہش کی۔ دوسرے روز ڈار صاحب نے طلوع اسلام کے چند پرچے لا دیئے۔ شوق بڑھتا گیا اور پھر مطالعے کی صورت اختیار کر گیا۔ لا کی منزل پر پہنچنے سے پہلے حضورؐ کی حیات طیبہ پر کئی کتابیں پڑھ چکا تھا۔ ان میں شرم ناک باتوں کے علاوہ حقیقت سے بعید قصے کہانیوں نے مجھے ذہنی مریض بنا دیا۔ ایک روز میں نے استاد محترم سے حضورؐ کی سیرت طیبہ پر کسی کتاب کی فرمائش کی تو انہوں نے میری راہنمائی پرویزؒ صاحب کی تحریر کردہ کتاب "معراج انسانیت" کی طرف فرمائی اور کہا کہ ریلوے لائبریری سے یہ کتاب حاصل کر لو۔ میں نے لائبریری جا

[illegible] طلب کی تو منشی عبدالغفور لائبریرین نے مجھے [illegible] سے کہا کہ کس کافر کی کتاب مانگ [illegible] بھاگ جاؤ یہ کتاب نہیں ملے گی۔ ان کی اس بات نے تو گویا مہمیز کا کام کیا۔ میں نے کہا کہ کتاب پڑھوں گا تو یہی ورنہ کوئی دوسری کتاب نہ دیکھوں گا۔ پھر مجھے کتاب مل گئی۔ آٹھ سو صفحات سے زائد ضخیم کتاب میں نے چند دنوں میں پڑھ ڈالی۔

معاف بفرمائید۔ مجھے تو حکم ہوا تھا کہ بزم طلوع اسلام کی روئیداد لکھوں لیکن میں لے بیٹھا اپنا قصہ۔ خوامخواہ آپ حضرات کا وقت ضائع کیا۔ اس کے لئے معذرت۔ بہرحال یہ بھی اس روئیداد کا ایک حصہ سمجھ کر برداشت کر لیں۔

ایک دن میں سرکاری کام کے سلسلے میں ریلوے کنٹرول آفس بابو سید امین صاحب کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کی میز پر طلوع اسلام کا پرچہ رکھا تھا۔ وہ مذہباً کٹر شیعہ تھے۔ محرم کے دنوں میں ان کے گھر والے سیاہ پوش ہو کر الٹی چارپائیوں پر سویا کرتے تھے۔ طلوع اسلام کا پرچہ ان کی میز پر دیکھ کر میں سمجھا کہ شاید کوئی صاحب بھول گئے ہیں۔ میں نے از راہ مذاق بابو سید امین صاحب سے کہا کہ بھائی جان کیوں کافر ہوتے ہو۔ ہٹاؤ یہ پرچہ مجھے دے دو۔ کہنے لگے کہ پرچہ تمہیں دیئے دیتا ہوں مگر وعدہ کرو کہ آج شام میرے ہاں آکر قوالی ضرور سنو گے۔ میں نے ان کی شرط مان لی اور پرچہ ان سے لے لیا۔ حسب وعدہ شام کو ان کے مکان پر پہنچا۔ وہاں قوالی وغیرہ کا تو کچھ نام و نشان نہ تھا۔ البتہ چند لوگ حلقہ بنائے بیٹھے تھے اور ایک نوجوان ہاتھ میں کوئی کتاب لئے پڑھ رہا تھا اور سب حضرات بڑے غور سے سن رہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد میں بھی اس حلقہ میں شامل ہو گیا۔ مضمون غالباً نمازوں کے متعلق تھا کہ ہماری نمازیں کیوں نتیجہ خیز نہیں ہوتیں۔ میرے سوالوں کا جواب مجھے مل رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ مضمون کبھی ختم نہ ہو لیکن اسے ختم ہونا تھا سو ہو گیا۔ ازاں بعد تعارفی سلسلہ شروع ہوا۔ میں نے اپنے متعلق بتایا۔ دوسرے احباب کا تعارف آپ سے کرا دوں۔ یہ تھے۔ بابو سید امین (صاحب خانہ) جناب محمد آصف حسین، جناب ماسٹر نیاز محمد صاحب (آصف صاحب کے خسر)، رفیق امین صاحب (صاحب خانہ کے فرزند) وغیرہ وغیرہ کچھ نام ذہن میں نہیں رہے۔

بابو سید امین صاحب کے مکان پر یہ محفل مدتوں جمتی رہی۔ پھر عدم گنجائش کی وجہ سے یہ محفل ڈھوک رتہ کے ایک ہوٹل پر جو برلب سڑک تھا۔ منعقد ہونے لگی۔ گویا گھر کی چار دیواری سے نکل کر ہم کچھ کھلی فضا میں آگئے جہاں بھرپور انداز میں مخالفت ہوئی اور خطرناک نتائج بھگتنے کی دھمکیاں بھی ملیں۔ لیکن چوہدری محمد عباس صاحب کے اثر و رسوخ اور دبدبہ کی وجہ سے مخالفت دب کر کچھ کم ہو گئی۔ ہماری اس مجلس کا کوئی نام وغیرہ نہ تھا۔ آپ اس مجلس کو بزم کا نام دے سکتے ہیں۔

ادارہ طلوع اسلام نے پچاس کے عشرہ میں طلوع اسلام کے ذریعے بزم ہائے طلوع اسلام کی تشکیل کیلئے ہدایات جاری کیں کہ ہم فکر حضرات مل بیٹھ کر بزموں کی تشکیل کریں اور قرآنی فکر کی نشرواشاعت کیلئے اپنے اپنے ماحول کے مطابق اقدامات کریں۔ آصف مرحوم گرمیوں کی ایک صبح میرے ہاں آدھمکے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر کہنے لگے کہ تمہارے پاس طلوع اسلام کے جو پرچے موجود ہیں وہ لاؤ تاکہ ان سے پنڈی میں طلوع اسلام پڑھنے والوں کی فہرست مرتب کر لی جائے۔ ایک نام پر نظر ٹھہر گئی۔ یہ تھے محترم بشیر احمد سوی۔ سوی کے لفظ میں کچھ ایسی کشش تھی کہ ہم نے فیصلہ کیا کہ ان صاحب سے ضرور ملا جائے۔ یہ دن اچھا خاصا گرم تھا۔ پیدل ہی چل کر ویسٹرج پہنچے جہاں سوی صاحب اپنے کسی عزیز کے ہاں قیام پذیر تھے۔ تھوڑی

سی کاوش کے بعد سوی صاحب کا گھر مل گیا۔ ملاقات ہوئی تو یوں معلوم ہوا کہ ہم ایک دوسرے کو عرصہ سے جانتے ہیں۔ تعارف کے بعد ملاقات کا مقصد بیان کیا۔ فرمانے لگے کہ میں بھی بہت دنوں سے کسی ہمدم کی تلاش میں تھا۔ اللہ نے آپ کو بھیج دیا۔ سوی صاحب سے ہماری ملاقات بزم کی تشکیل کے بارے میں تھی۔ اس موضوع پر مختصر سی بات کے بات ہم تینوں نے اپنی مرتبہ فہرست پر ایک دفعہ پھر نظر دوڑائی اور ایک اور نام کو نامزد کر کے ان سے ملنے صدر بازار نیک روڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایس۔ اے۔ لطیف اینڈ سن نیک روڈ پر جنرل مرچنٹس کی ایک بہت بڑی مشہور و معروف دکان ہے۔ ہم اس دکان میں چلے گئے۔ وہاں ایک دبلے پتلے چھوٹے قد کے معمر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ تھے شیخ عبداللطیف جن سے ملاقات مقصود تھی۔ شیخ صاحب سے ہم نے بلا تمہید عرض مدعا بیان کیا۔ وہ بھی گویا ہمارے ہی منتظر تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر آپ پسند کریں تو "غریب خانہ" حاضر ہے۔ صدر بازار میں "عزیز منزل" کے نام سے محل نما مکان میں بہت بڑا ڈرائینگ روم تھا۔ ہم نے اپنی مرتب شدہ فہرست کی مدد سے احباب سے رابطہ قائم کیا اور اگلے اتوار کو شیخ صاحب کے ہاں اچھے خاصے دوستوں کا اجتماع ہو گیا جس میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ہمارے پاس ان دنوں ٹیپ ریکارڈر نہیں تھا۔ آصف (مرحوم) نے بسم اللہ، سلیم کے نام خطوط سے کی۔ وہ ہر نشست میں ایک یا دو خط پڑھتے اور بعد میں احباب اپنے اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ پھر شیخ صاحب جو بزم کے نمائندہ بھی تھے، کی دلچسپی میں کمی آنے لگی اور بالاخر ہمیں وہاں سے اس سلسلے کو ختم کرنا پڑا۔ اللہ کارساز ہے۔ اس نے اپنے پیغام کی نشرواشاعت کیلئے ایک اور در کھولدیا۔ انجمن فیض الاسلام راولپنڈی کے جنرل سیکرٹری جلال بابا جو خواجہ احمد الدین امرتسری [illegible] کے دوست تھے۔ محترم مقبول محمود فرخند صاحب [illegible] نمائندہ بزم لندن) کی وساطت سے ہمیں انجمن کے [illegible] کی کلاس روم میں جگہ دینے پر رضامند ہو گئے۔ [illegible] عرصہ احباب خاموشی سے وہاں جمع ہوتے رہے اور [illegible] صاحب کی مختلف کتابوں سے شام کو کوئی نہ کوئی مضمون پڑھا جانے لگا۔ ایک شام ہماری مجلس میں یہاں کے نامی گرامی مولانا محمد مسکین صاحب تشریف لے آئے۔ [illegible] صاحب فرقہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے۔ قرآن خالص ان کو کہاں راس آسکتا تھا۔ باتوں باتوں میں تلخی پیدا ہوئی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ہمیں وہاں سے رخصت ہونا پڑا۔ انجمن مذکور کے صدر محترم میاں حیات بخش صاحب نے، جو یہاں کی سماجی اور سیاسی شخصیت تھے اور انہوں نے فیض الاسلام میں دو تین مرتبہ ہماری محفل میں شرکت فرمائی تھی نہایت خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے ہمیں اپنے دولت کدہ پر اجلاس کرنے کی دعوت دی۔ میاں صاحب کا دولت کدہ محلّہ قطب الدین میں واقع تھا اور شیخ لطیف صاحب کے غریب خانہ سے کہیں بڑا۔ میاں صاحب ذوق شوق سے اجلاس میں شرکت فرماتے۔ ہم مطمئن تھے کہ چلو اچھی جگہ پناہ مل گئی۔ عید قربان قریب آرہی تھی۔ ایک روز درس کے بعد میاں صاحب فرمانے لگے کہ یہ جماعت اسلامی والے بڑے حضرت ہوتے ہیں (میں یہ بہت نرم الفاظ میں کہہ رہا ہوں ورنہ انہوں نے تو کافی سخت زبان استعمال کی تھی) قربانی کی کھالیں یتیم بچوں سے چھین کر لے جاتے ہیں۔ اس عید پر آپ حضرات ہماری مدد کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ کھالیں اکٹھی ہو سکیں۔ ہم میں سے کچھ نوجوان میاں صاحب کی اس بات سے اتفاق نہ کر سکے اور میاں صاحب کو صاف جواب دے دیا۔ اس دن سے میاں صاحب کی دلچسپی کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو گئی اور ہمیں پھر کسی دوسرے آشیانے کی تلاش شروع

ہوئی۔ اس عرصہ میں بزم کے احباب نے اقبال روڈ پر ایک دکان کرایہ پر لے کر لائبریری کے قیام کا انتظام کر لیا تھا۔ مختلف حضرات نے طلوع اسلام کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتب کثیر تعداد میں مہیا کر دی تھیں۔ محترم مقرب خان صاحب نے تو اپنی ذاتی لائبریری کی تمام کتابیں جو انہوں نے مدت العمر تک جمع کی تھیں لائبریری کو دے دیں اور اس بارے میں اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہے۔ اس لائبریری کا افتتاح "روزنامہ تعمیر" کے چیف ایڈیٹر (مرحوم) محمد فاضل نے کیا۔ اور اخبار تعمیر لائبریری کیلئے بلا قیمت جاری کر دیا۔ چند احباب جو اخبار خرید کر پڑھا کرتے تھے۔ شام کو اپنا اخبار لائبریری پہنچا دیتے۔ لائبریری کے پہلے لائبریرین محترم محمد یوسف سرحدی مقرر ہوئے جو محکمہ تعلیم میں ملازم تھے۔ وہ چھٹی کے بعد سیدھے لائبریری پہنچتے۔ قرآن کے پیغام کو نظم میں ڈھالتے اور عوام تک پہنچانے کی حتی الوسع کوشش کرتے۔ بزم کے احباب رضا کارانہ طور پر لائبریری جا کر سرحدی صاحب کا ہاتھ بٹاتے۔ محترم فاضل صاحب نے لائبریری کے افتتاح کے موقع پر کہا تھا کہ لائبریریاں خاموش سفیر کا کام کرتی ہیں۔ ان کی یہ بات درست ثابت ہوئی۔ اس لائبریری نے ہمیں فیروز علی بھٹی جیسی شخصیت دی جن کا ذکر آئندہ چند سطور کے بعد آئیگا۔

پرویزؒ صاحب بمعہ رفقاء جن میں مسلم لیگ صوبہ سرحد کے صدر بخت جمال خان (مرحوم) اور فضل احمد سبحانی (مرحوم) (واہ والے احمد سبحانی مرحوم کے والد تھے) پنڈی تشریف لائے تو از راہ کرم پرویزؒ صاحب نے احباب بزم طلوع اسلام راولپنڈی کو بھی شرف ملاقات سے نوازا۔ انہیں سوی صاحب نے اپنے دوست بٹ صاحب (پورا نام یاد نہیں) کے ہاں (ویسٹریج میں) ٹھہرایا۔ موسم سخت گرم تھا۔ پرویزؒ صاحب بمعہ رفقائے کرام اندر کمرے میں تشریف فرما تھے۔ لیکن صدر خان بخت جمال خان برآمدہ میں چارپائی پر کبھی لیٹے اور کبھی بیٹھے پرویزؒ صاحب کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان سے گزارش کی گئی کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے بزم راولپنڈی کے نوجوان موجود ہیں۔ فرمانے لگے آپ پرویزؒ کی قدر کو ابھی نہیں جانتے۔ نوجوان غفلت بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنے دو۔ دوپہر ڈھل چکی تو جناب چوہدری عبدالحمید امرتسری جو فروٹ کا کام کرتے تھے تشریف لائے اور راقم کو کہا کہ احباب کو آم پارٹی کے لئے مدعو کیا جائے۔ چوہدری صاحب موصوف نے دو بڑے بڑے ٹبوں میں خوب برف لگے آموں کا انتظام کیا تھا۔ میں نے جا کر کہا کہ چلیں آم کھا لیں۔ پرویزؒ صاحب نے فوراً ٹوکا اور پنجابی میں کہا کہ "امب کھادے نیں جاندے۔ امب چوپے جاندے نے" غرض چوہدری عبدالحمید کے حسن ذوق سے کام و دہن کی تواضع ہو گئی۔ راقم کو اب یہ یاد نہیں کہ بزم کے احباب کی پرویزؒ صاحب سے یہ پہلی ملاقات تھی یا وہ والی جو شیخ عبداللطیف صاحب کے ہاں ہوئی تھی۔ ہر دو ملاقاتوں میں پنڈی اسلام آباد کے احباب نے بھرپور شرکت کی تھی۔

اراکین بزم طلوع اسلام کی خواہش پر محترم پرویزؒ صاحب کو تقریر کیلئے مدعو کیا گیا۔ جس کا انتظام ریلوے انسٹیٹیوٹ کے خوبصورت اور وسیع ہال میں ہو گیا۔ چونکہ راقم ریلوے میں ملازم تھا اس لئے ہال کی منظوری میں کچھ دقت پیش نہ آئی لیکن اس منظوری کی خبر نے گویا آگ لگا دی۔ انسٹیٹیوٹ کے سیکرٹری اقبال ہاشمی نے وہ فتور مچایا کہ افسران مجاز کو ہال کی منظوری منسوخ کرنا پڑی۔ انہوں نے اخلاقاً" اتنا بھی نہ کیا کہ مجھے منسوخی کی اطلاع ہی دے دیتے۔ بہرحال مجھے اطلاع مل گئی۔ سب احباب بہت پریشان ہوئے کیونکہ اجلاس کا اعلان ہو چکا تھا۔ اور کوئی متبادل انتظام نظر نہ آتا تھا۔ سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ اب کیا ہو گا۔ پرویزؒ صاحب

کو کیا جواب دیا جائے۔ اسی اثنا میں ایک صاحب آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ میرا نام فیروز علی بھٹی ہے۔ میں نے طلوع اسلام کا لٹریچر آپ کی لائبریری میں دیکھا ہے۔ بلکہ آپ کے لائبریرین محمد یوسف سرحدی نے مجھے بلا ضمانت بغیر جان پہچان کے کتابیں گھر لے جانے کی بھی اجازت دی۔ اگر آپ حضرات پسند کریں تو مجوزہ اجلاس میرے غریب خانہ پر کر لیں تو میں آپ کا بہت ممنون ہونگا۔ ٹاہلی شاہاں میں "الکوثر" جب پہنچے تو دل خوش ہو گیا۔ وسیع و عریض صحن جس کے تین اطراف کھلے برآمدے تھے۔ چنانچہ پرویزؒ صاحب کی تقریر کا انتظام الکوثر میں ہو گیا۔ پنڈی میں محترم پرویزؒ صاحب مرحوم کی یہ پہلی تقریر تھی۔ عنوان تھا "روٹی کا مسئلہ" صحن اور برآمدوں کے علاوہ سامعین کا جم غفیر مکان سے باہر بھی جمع ہو گیا تھا۔ لاؤڈ سپیکرز سے پرویزؒ صاحب کی آواز سب تک پہنچ رہی تھی۔ تقریر کے اختتام پر چند "علماء" کے وفد نے پرویزؒ صاحب سے ملاقات کی۔ وہ یہاں کے معروف شیخ الحدیث مولانا غلام اللہ خان (مرحوم) کی طرف سے آئے تھے۔ وفد نے مولانا کا پیغام دیا کہ مولانا پرویزؒ صاحب سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ پرویزؒ صاحب نے ایسی خرافات میں الجھنے سے صاف انکار کر دیا۔ پرویزؒ صاحب کی تقریر کے اہم نکات کو اخبارات نے نمایاں جگہ اور دی ساتھ ہی مناظرے کی خبر کو دو کالمی سرخی سے شائع کیا کہ "پرویزؒ۔ مولانا غلام اللہ خان کے مناظرہ کے چیلنج سے بھاگ گیا"۔

ریلوے انسٹیٹیوٹ راولپنڈی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ وہاں اجلاس نہ ہو سکا۔ اسی ہال میں پرویزؒ صاحب کی دو معرکتہ الارا تقاریر "شہنشاہ بوریہ نشین" اور اسلامی مملکت کے سربراہ کی ذمہ داریاں" کے موضوعات پر بھرپور انداز میں ہوئیں۔ ریلوے کے تقریباً تمام افسران نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ محترم اے۔ آر قریشی صاحب، پرویزؒ صاحب کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے۔ بلکہ پرویزؒ صاحب نے [illegible] بطور جونیئر کلرک بھرتی کیا تھا۔ وہ اپنی محنت اور [illegible] سے ترقی کرتے کرتے ڈپٹی سیکرٹری ریٹائر [illegible] موصوف کی وساطت سے سیکرٹریٹ سٹاف نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس کے انعقاد میں محترم رضوان الحسن (مرحوم) صاحب ڈپٹی سیکرٹری حکومت پاکستان کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں۔ رضوان الحسن صاحب، محترم پرویزؒ صاحب کے ان دیرینہ ساتھیوں میں تھے جنہوں نے جب پرویزؒ صاحب نے پہلی دفعہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو وہ ان رفقاء میں سے تھے۔

پروفیسر اشفاق (مرحوم) گورنمنٹ ڈگری کالج راولپنڈی کے پرنسپل تھے۔ وہ جب اٹک میں پرنسپل تھے تو پرویزؒ صاحب کی تقریر کا انتظام کر چکے تھے وہاں پرویزؒ صاحب کی تقریر سننے کیلئے گویا پورا شہر امڈ آیا تھا۔ بزم پنڈی کے احباب میں سے آصف مرحوم محمد دین اور راقم کے علاوہ دیگر احباب نے شرکت کی تھی۔ گذشتہ تجربہ کی بنا پر پروفیسر صاحب نے پنڈی کالج میں بھی پرویزؒ صاحب کی تقریر کی خواہش ظاہر کی۔ تقریر کے تمام انتظامات ہو چکے تھے۔ محترم قریشی عزیز صاحب نمائندہ بزم پنڈی راقم کے ہمراہ انتظامات کی تکمیل کے آخری مرحلہ کیلئے کالج پہنچے تو دیکھا کہ پروفیسر صاحب کو چند مولویوں نے گھیر رکھا ہے۔ پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ پرویزؒ صاحب کو ایک دفعہ سن تو لیں اور مولانا حضرات کا اصرار تھا کہ اس تقریب کی منسوخی کا اعلان فوری طور پر کیا جائے ورنہ------ لاچار پروفیسر صاحب کو مولوی حضرات کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا۔ اس طرح پنڈی میں پہلی دفعہ پرویزؒ صاحب کی تقریر نہ ہو سکی۔ اس مختصر سے عرصہ میں کوئی اور متبادل انتظام بھی کرنا ممکن نہ تھا۔

محترم فیروز علی بھٹی (مرحوم) کی کاوشوں سے گارڈن کالج راولپنڈی کے جوبلی ہال میں بزم کے زیر

اہتمام پرویزؒ صاحب کی تقاریر کا دو مرتبہ انتظام ہوا۔ ہر [illegible] جوبلی ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ راولپنڈی اسلام آباد کے احباب کے علاوہ نزدیک کی بزموں سے بھی احباب نے شرکت کی۔ اخبارات نے پرویزؒ صاحب کی تقاریر کی کوریج میں بخل سے کام نہ لیا۔

اسلام آباد کے احباب کا ہمیشہ یہ تقاضا رہا کہ پرویزؒ صاحب کی کم از کم ایک تقریر اسلام آباد میں بھی ہونی چاہئے۔ چنانچہ ان کی اس خواہش کی تکمیل کیلئے پرویزؒ صاحب کی تقریر کا اہتمام اسلام آباد کالج میں کر دیا گیا۔ اس بارے میں محترم چوہدری سراج الدین صاحب ڈپٹی سیکرٹری منظور الحسن (مرحوم) ریاض الحسن صاحب (مرحوم) اور شفقت صاحب کے علاوہ اسلام آباد کے دیگر احباب نے بڑی محنت اور لگن سے قابل تحسین کام کیا۔ بزم پنڈی کے احباب کی معاونت بھی قابل ستائش تھی۔ اسی زمانے میں طلوع اسلام کالج کی تعمیر کی باتیں زور شور سے ہوا کرتی تھیں۔ تقریر کے اختتام پر ایک نحیف و نزار شخص اٹھے۔ پرویزؒ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ پرویزؒ صاحب ! آپ کالج کی تعمیر شروع کریں میں ابتداً" ایک لاکھ روپیہ دونگا اور پھر شاید ساری جائیداد ہی دے دوں۔ لیکن شرط کالج کی تعمیر شروع کرنے کی ہے۔ افسوس کہ نہ کالج کی تعمیر شروع ہو سکی اور نہ وہ صاحب اپنا مشروط عطیہ دے سکے۔ یہ صاحب تھے پنڈی بزم کے فضل احمد صاحب جن کا انتقال مذکورہ تقریر کے بعد جلد ہی ہو گیا۔ اسلام آباد کے احباب میں' میں نے ریاض الحسن صاحب کا ذکر کیا ہے۔ پرویزؒ صاحب نے ان صاحب کو منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ بطور اسٹیٹ آفیسر اسلام آباد میں کام کرتے تھے۔ پنڈی بزم کے ایک دیرینہ رکن محمد اسلم (جو 1965ء کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے) فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر تلاش روزگار میں مارے مارے پھر رہے تھے تو یہ ریاض الحسن ہی تھے جنہوں نے اسلام شہید کی ملازمت کا انتظام کیا تھا۔ ایک اسلم شہید کا کیا ذکر نہ معلوم کتنے ایسے لوگوں کی ریاض صاحب نے دستگیری کی۔

آیئے اب پھر پنڈی بزم چلتے ہیں۔ اسلام آباد کے احباب کی طرح بزم واہ کے احباب کا تقاضا بھی نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔ وہاں کے احباب نے سی۔ ایم۔ حالی سکول کی عمارت پرویزؒ صاحب کی تقریر کیلئے حاصل کر لی۔ بزم پنڈی کے احباب چوہدری محمد عباس صاحب کی سربراہی میں جملہ انتظامات سنبھالنے واہ پہنچ گئے۔ راجہ شیر باد سابق خاکسار سالار اپنے دیگر دوستوں کے ہمراہ اپنا حصہ بٹانے کیلئے موجود تھے۔

آج کل بزم ہائے طلوع اسلام سب کنونشنز کا ایک روزہ اہتمام کرتی ہیں کیونکہ مہنگائی کے عفریت نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ بہرحال یہ بھی غنیمت ہے کہ اس طرح قرآنی فکر کی نشرواشاعت کا کچھ نہ کچھ انتظام تو ہو جاتا ہے۔ اچھے دنوں میں بزم پنڈی نے اپنے ہاں دو مرتبہ دو دو دن کیلئے سب کنونشنز کا شاندار انتظام کیا۔ دونوں مرتبہ مرحوم بھٹی صاحب کے الکوثر کو میزبانی کا اعزاز حاصل رہا۔ پنڈی بزم کے مہمانان گرامی میں کراچی تا پشاور اور شمالی علاقہ جات کے حضرات شامل رہے۔ پرویزؒ صاحب نے قرآنی تعلیمات کے علاوہ بزموں کی تنظیموں کے متعلق ہدایات جاری فرمائیں۔

بزم پنڈی کے پاس عرصہ تک ٹیپ ریکارڈر نہیں تھا۔ اس زمانے میں یہ کافی گراں ہوا کرتا تھا۔ اس لئے انتظام یہ کر رکھا تھا کہ پرویزؒ صاحب کی کتابوں سے کوئی نہ کوئی مضمون ہر اجلاس میں پڑھا جاتا۔ عموماً آصف مرحوم ہی پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھار راقم کی باری بھی آجاتی تھی۔ ایک اتوار جب اجلاس کیلئے الکوثر پہنچے تو مرحوم فیروز علی بھٹی نے کہا کہ آج کوئی صاحب پرویزؒ کی کتاب سے کوئی مضمون نہیں پڑھیں گے۔ یہ بات انہوں نے کچھ اس انداز سے کہی کہ گویا وہ ہمیں پڑھنے سے منع کر رہے ہیں۔ پھر چندے توقف کے بعد کہا کہ

آج ایک فرشتہ آیا' تھا۔ وہ آپ کی بزم کیلئے ٹیپ ریکارڈر دے گیا ہے۔ سب بہت خوش ہوئے۔ یہ فرشتہ جو ٹیپ ریکارڈرہ دے گیا تھا' بزم پنڈی کا خاموش مگر باعمل کارکن ابرار زیدی تھا۔ جس کا سابقہ تعلق کراچی بزم سے بھی رہا تھا۔ اس زمانے میں ویڈیو کیسٹ کی بجائے آڈیو کیسٹ ہوا کرتے تھے۔ جس کے سپول (Spool) بہت بڑے ہوتے تھے۔ ایک سائیڈ غالباً تین گھنٹے کے پروگرام کیلئے کافی ہوتی تھی۔ محکمہ ریلوے میں میرے فرائض کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ مجھے پنڈی سے باہر بھی جانا پڑتا تھا۔ اتوار کے علاوہ ٹیپ ریکارڈر بیرونی ڈیوٹی کے دوران میرا ہمدم ہوتا۔ ایک دفعہ مجھے پشاور جانے کا اتفاق ہوا۔ ٹیپ ریکارڈر نمائندہ بزم پشاور ماسٹر بدرالدین صاحب کی دکان پر رکھا۔ اور نماز جمعہ کی ادائیگی ان کے ہمراہ کی۔ نماز کے بعد دکان پر ہی ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا گیا۔ دو دو چار چار افراد جمع ہوتے ہوتے جم غفیر کی شکل اختیار کر گئے۔ ماسٹر صاحب کی دکان پشاور کے معروف درزی سنٹر بازار میں واقع تھی۔ ہجوم اس قدر بڑھ گیا کہ ٹریفک کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ پرویزؒ صاحب کی تقریر کا عنوان تھا "اسلام کا معاشی نظام" لوگ بڑی محویت سے تقریر سن رہے تھے۔ ہجوم میں چند مولوی حضرات تو آنسو بھی بہا رہے تھے۔ تقریر ختم ہوئی تو وہی رونے والے مولوی حضرات آگے بڑھے۔ سلام دعا بعد دریافت کیا کہ تقریر کرنے والے کون مولوی صاحب تھے جن کی اتنی موثر اور مدلل تقریر تھی۔ بتایا گیا کہ یہ پرویزؒ صاحب تھے۔ "لاحول" کا گولا اس نفرت سے داغا کہ ہجوم منتشر ہو گیا۔

ابھی ہمیں پھر "الکوثر" چلنا ہے کیونکہ بزم پنڈی کا اس سے گہرا تعلق رہا ہے۔ مولانا محمد مسکین جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ ٹاہلی شاہاں کی مسجد کے خطیب تھے۔ انہیں "الکوثر" میں ہونے والی "سرگرمیوں" کی بہت تکلیف تھی۔ اپنی اس تکلیف کو رفع کرنے کیلئے ایک جمعہ کے دن دوران خطاب سامعین کو غیرت دلائی کہ الکوثر میں کفر پران چڑھ رہا ہے۔ ہے کوئی اللہ کا مجاہد جو اس کفر کو بند کرے اور الکوثر کی خاک اڑا دے۔ انہوں نے اخلاق کے تمام قواعد و ضوابط کو بالائے طاق رکھ کر نہایت غلیظ زبان بھی استعمال کی۔ یہ بات اہل بزم تک پہنچی تو سب بہت گھبرائے کہ نہ معلوم کیا آفت وارد ہو گی سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ اگر کوئی صاحب مطمئن نظر آرہے تھے تو وہ تھے فیروز علی بھٹی "الکوثر" کے مالک بھٹی صاحب نہایت اطمینان سے اٹھے۔ مولوی صاحب کے پاس گئے اور جاتے ہی کہا کہ "دیکھ مولوی میں نے تیری آج کی بکواس سن لی ہے۔ کان کھول کر سن لے کہ اگر الکوثر کی طرف کسی نے میلی آنکھ سے دیکھا تو تیری آنکھ پھوڑ دونگا" چلئے شر کا علاج ہو گیا۔ پھر بھی مولانا کو جرات نہ ہوئی کہ وہ کسی قسم کی مخالفانہ بات کریں۔ الکوثر میں درس قرآن بھٹی صاحب مرحوم کے صاحبزادہ صفدر علی بھٹی کی خواہش پر چند برس بھٹی صاحب کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ لیکن مرحوم کی جائیداد کی تقسیم پر "الکوثر" انکی بیٹی کے حصے میں آیا تو صفدر کے بہنوئی صاحب نے جو جماعت اسلامی کے کارکن تھے درس کو مزید جاری رکھنے کی اجازت نہ دی۔ اس طرح بزم۔ نمائندہ بزم جناب نجابت خان صاحب کے ہاں منتقل ہو گئی۔

محترم عزیز احمد قریشی نمائندہ بزم' محکمہ راشنگ میں انسپکٹر تھے۔ مسجد تعلیم القرآن راجہ بازار کے خطیب اور امام شیخ الحدیث مولانا غلام اللہ خان صاحب نے قریشی صاحب سے کچھ چینی کی فرمائش کی۔ ان دنوں چینی کی قلت تھی اور راشن پر ملا کرتی تھی' اس لئے چینی کا حصول کافی مشکل تھا۔ قریشی صاحب نے مطلوبہ چینی حاصل کی اور آصف مرحوم اور راقم کو ساتھ لیکر مولانا کی خدمت میں پہنچ گئے۔ مولانا کے ہاں مجلس جمی ہوئی

ملی انہیں دیکھتے ہی سب حضرات کھسک گئے۔ مولانا نے قریشی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ پھر قرآن و حدیث کی باتیں ہونے لگیں۔ عید قرباں چونکہ نزدیک آرہی تھی اس لئے اس موضوع پر بھی مولانا نے اپنے ارشادات سے نوازا۔ قریشی صاحب نے موقع غنیمت جان کر کہا کہ مولانا! اگر آپ اجازت دیں تو میرے پاس اس مسئلہ پر قرآن کی روشنی میں ایک پمفلٹ ہے' اس میں سے کچھ میں بھی عرض کروں۔ مولانا کی اجازت سے قریشی صاحب نے طلوع اسلام کا شائع کردہ پمفلٹ "قربانی کا مسئلہ" پڑھنا شروع کیا۔ آپ یقین کریں کہ قریشی صاحب پڑھتے جاتے تھے اور مولانا کے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے اور وہ حسب عادت اپنی ران پر ہاتھ مار مار کر کہہ رہے تھے کہ "ہائے اوئے میریا ربا میں تے اپنی ساری عمر گوا دتی اے۔ مینوں لوک اویں ای شیخ القرآن کہندے نے۔ پر میں تے بالکل جاہل آں۔ کسے نے قرآن سکھنا ہوے تے او پرویز کولوں سکھے" مضمون ختم ہوا تو پرویزؒ صاحب کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ عوام میں پرویزؒ صاحب کے متعلق بہت سے غلط باتیں پھیلا دی گئی ہیں۔ میں انشاء اللہ انہیں دور کرنے کی کوشش کرونگا۔ ہم مولانا کے اس طرز عمل سے بہت خوش ہوئے۔ خوشی خوشی مولانا سے رخصت ہوئے۔ مولانا نے میرا بھی شکریہ ادا کیا کیونکہ میں انہیں گذشتہ تین برس سے متواتر طلوع اسلام مفت فراہم کر رہا تھا۔ اس امید پر کہ مولانا حسب وعدہ جمعہ کے خطاب میں پرویزؒ صاحب کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کریں گے۔ ہم چند دوستوں نے راولپنڈی۔ اسلام آباد کے تمام دوستوں کو مولانا سے ملاقات کے متعلق بتایا اور انہیں دعوت دی کہ وہ نماز جمعہ مولانا کی مسجد میں ادا کریں۔ ہماری اس دعوت پر کثیر تعداد میں دوست مولانا کی مسجد میں پہنچ گئے۔ مولانا منبر پر تشریف لائے۔ قرآن حکیم کی چند آیات تلاوت فرمانے کے بعد پہلی بات جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ "میرے پاس چند پرویزیئے خبیث آئے تھے۔ میں نے ان کی وہ خبر لی کہ ان کی پشتیں یاد کریں گی۔ غرض انہوں نے کافی غلیظ زبان استعمال کی تحریک طلوع اسلام اور پرویزؒ صاحب کے بارے میں وہ وہ باتیں اپنے من سے گھڑ کر کیں جو برداشت سے باہر تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ اب مولوی کا اندھا مقلد نہیں رہا۔ وہ خود بھی سوچتا ہے اور حقیقت کی تلاش میں ہے۔ مولانا کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقبول محمود فرحت (اب نمائندہ بزم لندن) کی کتابوں کی دکان پر جتنی بھی طلوع اسلام کی کتابیں تھیں وہ سب کی سب فروخت ہو گئیں۔ مولوی کی مخالفت ہمارے لئے رحمت ثابت ہوئی۔ طلوع اسلام کو متعارف کروانے میں جتنا کام مولوی کی مخالفت نے کیا ہے ہم طلوع اسلام سے متفق اس طرح کا نہیں کر سکے؟ مولوی کا شکریہ"۔

جب تک عزیز قریشی صاحب بسلسلہ ملازمت پنڈی رہے' بزم کی نمائندگی نہایت احسن طریقہ سے کرتے رہے۔ جب قریشی صاحب نے پنڈی کو خیر باد کہا تو محترم نجابت خان صاحب کو نمائندہ بزم منتخب کر لیا گیا۔ نجابت صاحب ہمدرد اور دل درد مند رکھنے والے انسان تھے۔ کئی دفعہ ضرورت مند دوستوں کی ضرورتیں رفع کرتے کرتے خود بھی ضرورت مند ہو جایا کرتے تھے۔ انہوں نے طلوع اسلام کالج کی تعمیر کے سلسلے میں کافی عطیات جمع کئے۔ خود اپنی جیب سے بھی خطیر رقم دی اور مزید دینے کا وعدہ کیا۔ ان کی کوششوں اور احباب بزم کے تعاون سے بزم اس قابل ہو گئی کہ ہر ماہ ماہنامہ طلوع اسلام تین صد کی تعداد میں منگوانے لگی۔ حج کی سعادت حاصل کرنے گئے تو وہاں سے شدید علیل ہو کر آئے۔ یہ علالت ان کی زندگی کا آخری حادثہ ثابت ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد محترم شمیم احمد شیروانی ٹیلی ویژن انجینئر کو بزم کا نمائندہ منتخب کیا گیا۔ لیکن کار پردازان

ادارہ طلوع اسلام کو نہ معلوم وجوہات کی بنا پر یہ "ٹوپی راس نہ آسکی- شمیم کا جرم کیا تھا- یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا نہ شمیم کو اور نہ ہی اہل بزم کو- ناچار بزم کو ادارہ کی مرضی کے سامنے سپر انداز ہوتے ہوئے محترم سردار نذیر احمد خان صاحب کو نمائندہ منتخب کرنا پڑا- محترم سردار نذیر گوناں گوں ذاتی مصروفیات کی بنا پر چند ماہ تک نمائندگی کر سکے-

ہم کافی آگے بڑھ آئے ہیں- آیئے پھر سے ماضی سے رشتہ استوار کرتے ہیں- قرآن حکیم کے پروگرام نظام ربوبیت کے چھوٹے سے پیمانے پر روبہ عمل لانے کیلئے تین دوستوں نے ایک تجربہ پر عمل کرنے کی ٹھانی- ان میں سے دو تو سرکاری ملازم تھے- اور ایک ٹھیلہ بان- تینوں معاشی لحاظ سے رمضانی تھے- کشمیری بازار میں ایک چھوٹی سی دکان پندرہ روپیہ ماہانہ کرایہ پر حاصل کر کے چاۓ کی چھوٹی سی دکان سے ابتداء کی گئی- دونوں سرکاری ملازم (کلرک) جن میں سے ایک کی تنخواہ -/100 روپیہ ماہانہ سے کم اور دوسرے کی -/100 روپیہ ماہانہ سے کچھ زیادہ تھی' اپنی اپنی تنخواہیں اپنے نوزائیدہ مرکز "نعمت کدہ" میں جمع کرا دیتے- اور پھر دکان سے حسب ضرورت گھریلو اخراجات کیلئے کچھ واپس حاصل کرتے- چند ماہ تو نوبت ایک قسم کے فاقوں کی رہی- تھوڑے ہی عرصہ میں نعمت کدہ کی خالص دودھ کی چاۓ کی دھوم مچ گئی- گویا خلوص دل سے محنت' لگن اور جذبہ کی سچائی نے اللہ کے فضل کو پا لیا- ٹھیلہ بان محمد دین صبح سے کام میں جت جاتے- دفتروں سے چھٹی کے بعد دونوں سرکاری ملازم بھی نعمت کدہ پہنچ جاتے- برتن دھوتے- چاۓ بناتے اور گاہکوں کو پیش کرتے- بازار سے چاۓ کے آرڈرز کی بھی تکمیل کرتے- پھر ایسا ہوا کہ ماسٹر نیاز محمد صاحب (آصف کے خسر) کی تجویز اور استمداد پر محمد دین خالص دیسی گھی کی مٹھائی بھی تیار کرنے لگے- نعمت کدہ کی شہرت پنڈی سے ادارہ طلوع اسلام اور پھر وہاں سے دیگر شہروں میں [illegible] پہنچی- اب نعمت کدہ اس قابل ہو گیا [illegible] رمضانی کی بھی دستگیری کر سکے- چنانچہ ایک [illegible] بھی نعمت کدہ خاندان کے رکن بن گئے [illegible] سرکاری آمدن صرف -/72 روپیہ تھی- گویا [illegible] خاندانوں نے اپنے اپنے گھروں کی درمیانی دیواروں کو گرا کر صحن وسیع کر لیا- پرویزؒ صاحب بمعہ رفقاء ایک دفعہ پنڈی تشریف لائے تو حسب پروگرام نعمت کدہ پر بھی رونق افروز ہوئے- اس دن منظر دیدنی تھا- بزم کے احباب کو تو پرویزؒ صاحب کی آمد کی اطلاع تھی اس لئے وہ کثیر تعداد میں نعمت کدہ پہنچ گئے- پرویزؒ صاحب کی آمد پر بازار سے بھی لوگ جمع ہو گئے اور یوں بہت بڑا ہجوم جمع ہو گیا- جو مٹھائی اور چاۓ کافی مقدار میں تیار کر لی گئی تھی' ہاتھوں ہاتھ نکل گئی- محترم پرویزؒ صاحب کے دیرینہ ہمدم اور دوست محترم عبدالرب صاحب ناظم ادارہ طلوع اسلام حیران ہو کر دریافت کر رہے تھے کہ کیا آپ کی خواتین اس پروگرام میں مخل نہیں ہوتیں- آصف نے فوراً جواب دیا کہ جب ان کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں تو وہ کیوں مداخلت کریں گی- نعمت کدہ بطریق احسن چل رہا تھا اور پھل پھول رہا تھا- اور احباب خوش اور نازاں تھے کہ نظام ربوبیت کی ایک ہلکی سی جھلک منظر پر نظر آرہی تھی- اب مزید گنجائش پیدا ہو چکی تھی کہ اس خاندان میں ایک اور رمضانی خاندان کا اضافہ ہو سکے- لیکن---- لیکن---

یہ لیکن بہت قیامت خیز ہے- خدا نے کہا ہے کہ اس نے قرآن کے ساتھ حدید نازل کیا ہے- تاکہ حدید قرآن کی اور قرآن حدید کی حفاظت کر سکے- ہم نے اس اصول کو نظر انداز کر دیا- اور مات کھا گئے- ہوا یوں کہ آصف صاحب جن کے ذمہ نعمت کدہ کا حساب کتاب تھا سخت علیل ہو گئے- اور نعمت کدہ نہ آسکے- ان کی بیماری کے دوران حساب کتاب کا فریضہ بھی محمد

ایسا کے بھال لیا ان کی نیت میں فتور آگیا۔ قصہ مختصر نیت کے فتور نے نعمت کدہ کو زحمت کدہ بنا دیا۔ اگر نعمت کدہ کی حفاظت حدید قانونی سے کر لی جاتی تو یہ ضرور ثمر بار ہوتا اور نہ معلوم کتنے اور رمضانیوں کا سہارا بنتا اور قرآنی فکر کا ایک عملی مظاہرہ بھی ثابت ہوتا۔ نعمت کدہ پر اخباری برادری کے احباب اور شہر کے دانشور جمع ہوتے۔ ہماری باتیں سنتے۔ اپنے دل کی بھڑاس بھی نکالتے۔ اس لحاظ سے بھی نعمت کدہ کو شہر میں ایک ممتاز مقام حاصل ہو چکا تھا۔ اس نعمت کدہ نے ہمیں ایک پیر جوان ہمت چوہدری سردار خان دیا۔ جو پیرانہ سالی میں بھی محنت مزدوری کر کے روزی کماتے۔ گاڑیوں کے ربڑ کے پرزوں کا کاروبار کرتے تھے۔ تھیلے میں ان پرزوں کے علاوہ ماہنامہ طلوع اسلام اور دوسرا لٹریچر ہوتا۔ جس گاہک کے پاس جاتے عمداً" پہلے طلوع اسلام نکالتے اور پھر اپنی روزی کی بات کرتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تم بزم والے کیوں ڈرتے ہو۔ باہر نکلو۔ میرے گلے میں طلوع اسلام کا بینر بنا کر ڈالو میں شہر میں کوچہ کوچہ گلی گلی گھوموں گا۔ چوہدری صاحب کا گویا اوڑھنا بچھونا ہی قرآن تھا۔ اسی نعمت کدہ نے ہمیں کرنل عزیز جیسی برگزیدہ ہستی دی۔ قرآنی لغت اور عربی شعر و شاعری میں طاق۔ ڈیوٹی سے فراغت کے بعد سیدھے نعمت کدہ تشریف لاتے اور قرآن کی باتیں کرتے۔

نعمت کدہ کے پڑوس میں عبداللہ جان جفت ساز ہوتے تھے۔ سادہ لوح اور ان پڑھ۔ ہمارے پاس اکثر آکر بیٹھتے۔ شروع شروع میں وہ باتیں سنتے رہے۔ نعمت کدہ کے طریق کار کا مطالعہ بڑے غور سے کیا۔ ایک دن انہوں نے اپنی دکان پر اعلان کیا کہ آج سے اس دکان کا نہ کوئی ملازم ہوگا نہ مالک۔ ہم سب محنت کش ہیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ (ملازموں کے ساتھ) محنت کرتا ہوں۔ اب میں اپنے سرمائے کا معاوضہ وصول نہیں کرونگا۔ بلکہ صرف محنت کا ماحصل میرا ہوا کریگا۔ دکان کے دس بارہ ملازم حیران تھے کہ عبداللہ جان کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی کہ رقم لگا کر منافع نہ لیگا۔ ان غریب ملازمین کو کیا خبر تھی کہ عبداللہ جان کی یہ قربانی کس کے تصدق تھی۔ یہ صدقہ تھی اس نظام ربوبیت کی ہلکی سی جھلک کا جو انہیں نعمت کدہ کی شکل میں نظر آئی تھی۔ عبداللہ جان کے اعلان نے گویا ملازمین میں طاقت۔ ہمت اور عزم کی روح پھونک دی۔ دکان پر پہلے سے تقریباً دوگنا کام ہونے لگا۔ افسوس کہ عبداللہ جان کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ایک حادثہ کی نظر ہو گئے۔

چوہدری عبدالحمید بزم کے معمر ترین رکن ہیں۔ ان کا تذکرہ آم پارٹی کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ امرتسر میں یہ فروٹ کا کاروبار کرتے تھے۔ پنڈی آکر بھی اسی کام کے ہو رہے۔ ہمیشہ قرآنی فکر کی نشرواشاعت میں پرجوش اور سرگرم رہے۔ ان کے خلاف پولیس میں رپٹ درج ہوئی کہ موصوف نشہ آور چیزوں کے کاروبار میں ملوث ہیں۔ اور ان کے تعلقات بھارت سے بھی ہیں۔ ان کے ہاں وائرلیس سیٹ بھی ہے جس سے وہ پیغام رسانی کرتے ہیں۔ ہماری پولیس کو تو اس قسم کی باتیں درکار ہوتی ہیں۔ کچھ کارکردگی دکھانے کیلئے اور کچھ کما کھانے کیلئے حمید صاحب اور دیگر دوستوں کی پولیس تھانہ طلبی ہوئی۔ بہت پریشان کیا گیا۔ کوتوالی شہر شیرازی صاحب شریف النفس تھے۔ بات ان تک پہنچی تو حمید صاحب نے انہیں طلوع اسلام کے کچھ پرچے اور پمفلٹس دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہے میرے جرم کی تفصیل۔ شیرازی صاحب نے لٹریچر پڑھا اور معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے۔ کبھی کبھی قرآنی فکر کے حامل حضرات کے راستے میں اس قسم کے موانعات بھی حائل ہو جاتے ہیں۔

محترم فیروز علی بھٹی (مرحوم) کی بڑی خواہش تھی

[illegible] ان کی نیت میں فتور آگیا۔ قصہ [illegible] کے فتور نے نعمت کدہ کو زحمت کدہ بنا دیا۔ [illegible] کی حفاظت حدید قانونی سے کر لی جاتی تو یہ ضرور ثمر بار ہوتا اور نہ معلوم کتنے اور رمضانیوں کا سہارا بنتا اور قرآنی فکر کا ایک عملی مظاہرہ بھی ثابت ہوتا۔ نعمت کدہ پر اخباری برادری کے احباب اور شہر کے دانشور جمع ہوتے۔ ہماری باتیں سنتے۔ اپنے دل کی بھڑاس بھی نکالتے۔ اس لحاظ سے بھی نعمت کدہ کو شہر میں ایک ممتاز مقام حاصل ہو چکا تھا۔ اس نعمت کدہ نے ہمیں ایک پیر جوان ہمت چوہدری سردار خان دیا۔ جو پیرانہ سالی میں بھی محنت مزدوری کر کے روزی کماتے۔ گاڑیوں کے ربڑ کے پرزوں کا کاروبار کرتے تھے۔ تھیلے میں ان پرزوں کے علاوہ ماہنامہ طلوع اسلام اور دوسرا لٹریچر ہوتا۔ جس گاہک کے پاس جاتے عمداً" پہلے طلوع اسلام نکالتے اور پھر اپنی روزی کی بات کرتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تم بزم والے کیوں ڈرتے ہو۔ باہر نکلو۔ میرے گلے میں طلوع اسلام کا بینر بنا کر ڈالو میں شہر میں کوچہ کوچہ گلی گلی گھوموں گا۔ چوہدری صاحب کا گویا اوڑھنا بچھونا ہی قرآن تھا۔ اسی نعمت کدہ نے ہمیں کرنل عزیز جیسی برگزیدہ ہستی دی۔ قرآنی لغت اور عربی شعر و شاعری میں طاق۔ ڈیوٹی سے فراغت کے بعد سیدھے نعمت کدہ تشریف لاتے اور قرآن کی باتیں کرتے۔

نعمت کدہ کے پڑوس میں عبداللہ جان جفت ساز ہوتے تھے۔ سادہ لوح اور ان پڑھ۔ ہمارے پاس اکثر آکر بیٹھتے۔ شروع شروع میں وہ باتیں سنتے رہے۔ نعمت کدہ کے طریق کار کا مطالعہ بڑے غور سے کیا۔ ایک دن انہوں نے اپنی دکان پر اعلان کیا کہ آج سے اس دکان کا نہ کوئی ملازم ہو گا نہ مالک۔ ہم سب محنت کش ہیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ (ملازموں کے ساتھ) محنت کرتا ہوں۔ اب میں اپنے سرمائے کا معاوضہ وصول نہیں کرونگا۔ بلکہ صرف محنت کا ماحصل میرا ہوا کریگا۔ دکان کے دس بارہ ملازم حیران تھے کہ عبداللہ جان کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی کہ رقم لگا کر منافع نہ لیگا۔ ان غریب ملازمین کو کیا خبر تھی کہ عبداللہ جان کی یہ قربانی کس کے تصدق تھی۔ یہ صدقہ تھی اس نظام ربوبیت کی ہلکی سی جھلک کا جو انہیں نعمت کدہ کی شکل میں نظر آئی تھی۔ عبداللہ جان کے اعلان نے گویا ملازمین میں طاقت۔ ہمت اور عزم کی روح پھونک دی۔ دکان پر پہلے سے تقریباً دوگنا کام ہونے لگا۔ افسوس کہ عبداللہ جان کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ایک حادثہ کی نظر ہو گئے۔

چوہدری عبدالحمید بزم کے معمر ترین رکن ہیں۔ ان کا تذکرہ آم پارٹی کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ امرتسر میں یہ فروٹ کا کاروبار کرتے تھے۔ پنڈی آکر بھی اسی کام کے ہو رہے۔ ہمیشہ قرآنی فکر کی نشرواشاعت میں پرجوش اور سرگرم رہے۔ ان کے خلاف پولیس میں رپٹ درج ہوئی کہ موصوف نشہ آور چیزوں کے کاروبار میں ملوث ہیں۔ اور ان کے تعلقات بھارت سے بھی ہیں۔ ان کے ہاں وائرلیس سیٹ بھی ہے جس سے وہ پیغام رسانی کرتے ہیں۔ ہماری پولیس کو تو اس قسم کی باتیں درکار ہوتی ہیں۔ کچھ کارکردگی دکھانے کیلئے اور کچھ کما کھانے کیلئے حمید صاحب اور دیگر دوستوں کی پولیس تھانہ طلبی ہوئی۔ بہت پریشان کیا گیا۔ کوتوالی شہر شیرازی صاحب شریف النفس تھے۔ بات ان تک پہنچی تو حمید صاحب نے انہیں طلوع اسلام کے کچھ پرچے اور پمفلٹس دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہے میرے جرم کی تفصیل۔ شیرازی صاحب نے لٹریچر پڑھا اور معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے۔ کبھی کبھی قرآنی فکر کے حامل حضرات کے راستے میں اس قسم کے موانعات بھی حائل ہو جاتے ہیں۔

محترم فیروز علی بھٹی (مرحوم) کی بڑی خواہش تھی

کہ قرآنی فکر کی نشرواشاعت میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین بھی حصہ لیں۔ کیونکہ اگر خواتین اس میدان میں نکل آئیں تو وہ مردوں کو پیچھے چھوڑ جائیں گی۔ اس کی ابتداء انہوں نے اپنے گھر سے کی۔ اپنی بیٹی کی معرفت انہوں نے بزم خواتین کی بنیاد رکھی۔ مگر یہ بزم پنڈی کی سنگلاخ زمین میں بار آور نہ ہو سکی۔ پھر کچھ عرصہ بعد ویسٹرج میں بیگم کرنل بشیر الحق صاحب نے بزم خواتین کی تشکیل کی۔ اس بزم کا حشر بھی پہلی بزم جیسا ہوا۔ ملک فضل کریم مرحوم نے بھی اس بارے میں کوشش کی لیکن یہ بھی کچھ زیادہ دیر نہ چل سکی۔ بزم ہائے طلوع اسلام لاہور اور ایبٹ آباد اس بارے میں خوش قسمت ہیں کہ ان کے ہاں بزم خواتین کامیابی سے چل رہی ہیں۔

بزم ہائے طلوع اسلام کا پہلا کنونشن باغبانپورہ لاہور میں چوہدری عبدالرحمٰن (مرحوم) کے بہترین ہاؤس میں 1956ء میں منعقد ہوا۔ ہم سب کیلئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ تمام ملک سے بزم ہائے طلوع اسلام کے نمائندگان و مبصرین کنونشن میں شرکت کیلئے لاہور پہنچ گئے۔ محترم پرویزؒ صاحب اور چوہدری عبدالرحمٰن نے جس جوش۔ جذبہ اور خندہ پیشانی سے شرکائے کنونشن کا استقبال کیا وہ اب تک یاد ہے۔ چوہدری صاحب موصوف صابن سازی کا کاروبار کرتے تھے۔ جس کا نام "بہترین سوپ" تھا۔ انہوں نے شرکائے کنونشن کو "بہترین سوپ" کا ایک ایک بنڈل تحفتہ" پیش کیا۔

کنونشن کے انعقاد کو ایک سال ہونے کو آیا تھا۔ دوبارہ کنونشن کے انعقاد کا کہیں ذکر اذکار نہ تھا۔ شاید اس کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں تھا۔ ایک شام ہم نعمت کدہ سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو حسب دستور آصف اور قدرت اللہ کو اللہ حافظ کہنے کیلئے راقم ان کے ہمراہ ہو لیا۔ کرشن پورہ جہاں آصف اور قدرت اللہ کے گھر تھے' ہم تھوڑی دیر باتیں کرتے کرتے رک گئے۔ برسبیل تذکرہ گذشتہ [illegible] کا تذکرہ باتوں باتوں میں آگیا۔ قدرت اللہ [illegible] کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس دفعہ کنونشن پنڈی میں [illegible] ہو سکے۔ اگر ایسا ہو جائے تو مزا آجائے گا [illegible] دل لگتی تھی۔ ہم نے یونہی کنونشن کا خیالی [illegible] شروع کر دیا۔ اور اس میں اتنے مگن ہوئے کہ ہمیں [illegible] کی اذان نے صبح ہونے کا احساس دلایا۔ بہرحال جب ہم نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا تو کنونشن کا پروگرام بن چکا تھا۔ یہ اتوار کا خوشگوار دن تھا۔ بزم کے اجلاس میں درس سننے کیلئے حاضر ہوئے۔ درس کے بعد ہم نے اپنی تجویز پیش کی جس کا رد عمل ملا جلا ہوا۔ جوان طبقہ نے ہماری تجویز پر پرجوش مسرت کا اظہار کیا۔ بزرگوں نے احتیاط اور سوچ سمجھ کر کام لینے کی نصیحت کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بزم اتنے بڑے اور اہم پراجیکٹ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ تاہم دو چار نشستوں میں یہ بات طے ہو گئی کہ آئندہ کنونشن پنڈی میں ہو گا۔ سب سے پہلا اور اہم سوال کنونشن کے انعقاد کیلئے جگہ کا تھا۔ کیونکہ کافی تعداد میں مہمانان گرامی کی آمد متوقع تھی۔ اس مشکل ترین مسئلہ کو محترم شیخ عبداللطیف صاحب نے یہ کہہ کر حل کر دیا کہ کنونشن ان کے "غریب خانہ" پر کر لی جائے۔ اس زمانے میں شیخ صاحب موصوف کی چار عدد کوٹھیاں ایک ہی قطعہ زمین پر زیر تعمیر تھیں۔ وہاں کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ضروری متعلقہ انتظامات کی تکمیل کے بعد بزم ہائے طلوع اسلام کو کنونشن کے انعقاد کی نوید اور دعوت دی جا چکی تھی۔ سیکرٹری کنونشن محترم محمد حنیف حنفی کی ہدایت پر راقم محترم پرویزؒ صاحب سے ضروری ہدایت لاہور جا کر حاصل کر چکا تھا۔ کنونشن کے مختلف کمروں اور پنڈال کیلئے محترم ملک محمد صادق صاحب خوشنویس اپنے قرآنی ذوق کی تسکین کیلئے خوبصورت کتبے اور بینرز تیار کر چکے تھے۔ تمام احباب بزم کنونشن کو کامیاب کرنے کیلئے شبانہ

رہ محنت اور لگن سے کام کر رہے تھے۔ ہم وقتاً فوقتاً اپنی میٹنگز میں اپنے کام کا جائزہ بھی لیتے جاتے تھے تاکہ اگر کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نظر آئے تو رفع کی جا سکے۔ اسی قسم کا ایک تیاری اجلاس شیخ صاحب موصوف کے ہاں ہوا۔ جس میں متوقع مہمانان گرامی کیلئے کمروں کی الاٹمنٹ کی گئی۔ پرویزؒ صاحب کے کمرے کا انتخاب کر کے اسے خاص طور پر تیار کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ شیخ صاحب اس اجلاس میں بطور خاص شریک ہوئے۔ پلان کی تشکیل کے بعد تقریباً چیختے ہوئے بولے کہ میں صرف پرویزؒ صاحب کو اپنے ہاں قیام کی اجازت دونگا۔ کوئی دوسرا یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ معلوم نہیں کن نکمے نکمے لوگوں کو آپ یہاں ٹھہرائیں گے۔ شیخ صاحب کے اس اعلان نے تو گویا ہم سب پر بجلی گرا دی۔ سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ شیخ لطیف صاحب یہ بات کہہ رہے ہیں۔ پھر ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔ کہ "اب کیا ہو گا" یہ تو بہت بے عزتی کی بات ہے۔ پرویزؒ صاحب اور بزموں کو جنہیں مدعو کیا جا چکا ہے کیا جواب دیں۔ بھاری قدموں اور بوجھل دل سے وہاں سے نکلے راستہ میں ایک ہوٹل پر تھوڑی دیر کیلئے رک گئے۔ محترم غلام حسین شاد ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ زراعت کی صدارت میں معاملہ پیش نظر کی اہمیت اور حل پر غور شروع ہوا۔ سوائے مایوسی کے کوئی حل نظر نہ آرہا تھا۔ جناب چوہدری عبدالغنی رکن مجلس منتظم کنونشن جو کسی بنک میں مینجر تھے بہت معاملہ فہم اور صاحب الرائے ہستی تھے۔ وہ نہایت سکون اور پروقار طور پر گویا ہوئے کہ گھبرائیں نہیں۔ کوشش کرتے ہیں۔ اللہ مالک ہے۔ جگہ کی تلاش کیلئے ایک سب کمیٹی چوہدری صاحب کی سربراہی میں تشکیل دی گئی۔ ملک نذیر صاحب اس کمیٹی کے اہم رکن تھے۔ چند روز کی جدوجہد کے بعد ڈھیری حسن آباد کے شیخ ریاض الحسن صاحب سے نمائندگان وفد کی ملاقات ہو گئی۔ شیخ ریاض الحسن صاحب، چوہدری عبدالغنی اور ملک نذیر احمد صاحب کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کو شیخ لطیف صاحب والے قصہ سے آگاہ کر دیا گیا۔ اور پرویزؒ صاحب کے بارے میں مولویوں کی مخالفت کے متعلق بھی بتا دیا گیا۔ پھر ان سے کنونشن کے انعقاد کیلئے جگہ کی درخواست کی گئی۔ شیخ صاحب موصوف نے بلا توقف کنونشن کے انعقاد کی اجازت یہ کہہ کر دے دی کہ بھائی ! میرے ہاں تو تشکیل پاکستان سے قبل ہندو اور سکھ بھی اپنی اپنی تقاریب منعقد کرتے رہے ہیں۔ آپ بھی آجائیں۔ آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ شیخ صاحب سے اجازت ملنے کے بعد بزم طلوع اسلام کا ایک عمومی اجلاس طلب کیا گیا تاکہ سب اہل بزم کو مکمل صورت حالات سے آگاہی ہو جائے۔ شیخ لطیف صاحب والے حادثے کا علم صرف مجلس منتظمہ کو ہی تھا۔ اب پرویزؒ صاحب اور بزمہائے طلوع اسلام کو بھی اس بارے میں مطلع کر دیا گیا۔ سب سے پہلا قافلہ جو پنڈی پہنچا وہ محترم پرویزؒ صاحب کی سربراہی میں لاہور والوں کا تھا۔ پھر مردان سے عبدالحکیم خان اور پشاور سے مرزا احمد علی صاحب کی سربراہی میں قافلے آئے۔ کراچی سے محترم ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب اپنے قافلہ کی سربراہی کرتے ہوئے پہنچے۔ غرض ملک کی مختلف بزموں کے نمائندگان اپنی اپنی سربراہی میں دوستوں کو لیکر کنونشن میں شرکت کیلئے پہنچ گئے۔ ایک حسین و جمیل میلے کا سماں تھا۔ گویا مختلف پھولوں کا ایک مہکتا ہوا گلدستہ تھا جس نے کنونشن کو آراستہ کر دیا۔ پنڈی کے مولوی حضرات کو یہ کب گوارا تھا کہ ان کے مذہبی قلعہ میں شگاف پڑے۔ انہوں نے بڑی غلیظ حرکت کرنے کی کوشش کی۔ چونکہ پشاور اور مردان کے مردان حر مستعد اور بااسلحہ تھے اس لئے کسی قسم کا کوئی غیر معمولی اور ناخوشگوار واقعہ مولانا حضرات کی توقع کے مطابق نہ ہو سکا۔ کنونشن کے پنڈال کو ملک صادق صاحب کے تیار کردہ کتبوں اور بینروں

سے آراستہ کر دیا گیا۔ کچھ کتبے اور بینرز لاہور والے بھی اپنے ہمراہ لائے تھے وہ بھی آویزاں کر دیئے گئے۔ یہ کتبے اور بینرز قرآنی احکام پر مشتمل تھے۔ کنونشن کا ابتدائی اجلاس بھرپور انداز میں جاری تھا۔ محترم پرویزؒ صاحب سورہ فاتحہ کی تشریح فرما رہے تھے کہ اتنے میں طوفانی باد باران نے تمام انتظامات درہم و برہم کر دیئے۔ شامیانے اکھڑ گئے۔ تمام سامان تر بتر اور تتر بتر ہو گیا۔ اس ناگہانی آفت کا تمام حضرات نے بردباری اور خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ صدر خان بخت جمال خان تو گویا اس طوفان سے ہنس ہنس کر کھیل رہے تھے۔ طوفان تھما تو سب احباب نے اپنے اپنے سامان کی خبر لی۔ کیا مجال کہ کسی کی ایک سوئی تک گم ہوئی ہو۔ اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو اعلان ہوا کہ سب حضرات اپنے اپنے شناخت نامے ہمراہ لائیں تاکہ کوئی بن بلایا مہمان نہ آجائے۔ محترم پرویزؒ صاحب سہواً اپنا شناخت نامہ ہمراہ نہ لا سکے۔ تو اس جنت کے "رضوان" نے انہیں بھی داخلے کی اجازت نہ دی۔ فوراً معذرت کر کے واپس گئے۔ شناخت نامہ پیش کیا تو داخل ہونے کی اجازت ملی۔

ایک نشست میں محترم پرویزؒ صاحب مزمل کے لفظ کی تشریح کر رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ حضرات کو علم ہے کہ اونٹ پر سواریوں کو بٹھانے کیلئے کجاوہ رکھا جاتا ہے اور اس کجاوے میں دونوں طرف ہم وزن سواریاں بٹھائی جاتی ہیں۔ عرب اس بات کا بھی خیال رکھا کرتے تھے کہ سواریاں ہم وزن ہونے کے علاوہ ہم آہنگ بھی ہوں۔ تاکہ راستہ میں کسی قسم کا اختلاف راہ نہ پا سکے اور سفر بخیر و خوبی گذرے۔ ہم وزن پر انہوں نے زور دیتے ہوئے اپنے پاس بیٹھے ہوئے اپنے دیرینہ رفیق شیخ سراج الحق صاحب جو بہت دبلے پتلے تھے اور لالہ یعقوب فلم ایکٹر جو بہت موٹے تھے، اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر کجاوے کی ایک جانب شیخ صا[illegible] ہوں اور دوسری طرف لالہ یعقوب تو کجا[illegible] دیدنی ہو گا۔ پھر فرمایا کہ اس قسم کی سواریوں [illegible] درست کرنے کیلئے عرب کرتے یہ تھے کہ ہلکی سواری کے کجاوے میں ایک پتھر رکھ دیتے تھے جس سے وزن برابر ہو جاتا تھا۔ اس پتھر کو وہ صبورہ کہتے تھے [illegible] استقامت سے معاشرے کی کمی بیشی کو پورا کرتا [illegible] صاحب نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزمل کی مز[illegible] تشریح کی اور مثال دیتے ہوئے کہا کہ چلیں وزن تو پتھر رکھ کر برابر کر لیا گیا اگر اس کجاوے کے ایک طرف جماعت اسلامی والے ہوں اور دوسری جانب طلوع اسلام والے تو سفر جس طرح کٹے گا وہ محتاج بیان نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ زمیل ساتھی کو کہا جاتا ہے جس کا ہم آہنگ ہونا لازمی شرط ہے۔ اگر دو دوست یا ساتھی ہم خیال نہ ہوں تو نبھا نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے قرآنی فکر کے حامل دوستوں کی جو جماعت تشکیل فرمائی اس جماعت سازی کے عمل کو اللہ نے تزمیل کہا ہے۔ پرویزؒ صاحب اکثر و بیشتر قرآن حکیم کی تشریح مشہور مثالوں سے فرمایا کرتے تھے۔ اسی کنونشن میں پرویزؒ صاحب کے مرتبہ مفہوم القرآن کی طباعت کی قرار داد منظور ہوئی اور معقول تعداد میں عطیہ جات اس بارے میں موصول ہوئے۔ کنونشن کی کامیابی اراکین بزم طلوع اسلام راولپنڈی کی شبانہ روز محنت اور بزم ہائے طلوع اسلام کی رہین منت ہے۔ جس کیلئے سب ہی مستحق مبارک باد ہیں۔

بزم طلوع اسلام کے جواں ہمت رفیق اور محترم پرویزؒ صاحب کے دیرینہ ساتھی ملک ظہور احمد صاحب کے ذکر اگر اس سرگذشت میں نہ کیا جائے تو یہ روئیداد مکمل نہیں ہو سکتی۔ محترم پرویزؒ صاحب نے قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں جتنے بھی درس دیئے اور وہ آڈیو یا ویڈیو کیسٹ پر ریکارڈ ہوئے ملک ظہور نے

انہوں نے بے پناہ مصروفیت کے باوجود اپنی محنت شاقہ سے مواد قرطاس پر منتقل کر دیا۔ اس منتقلی کیلئے ملک صاحب کیسٹ کو آن کر کے پہلے ڈکٹیشن لیتے اور پھر اسے ٹائپ کرتے۔ یہ کام بہت محنت طلب ہوتا ہے لیکن ملک صاحب کے جذبہ قرآنی نے اسے ان کے لئے آسان بنا دیا۔ اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ محترم پرویزؒ صاحب نے ملک ظہور احمد صاحب کا ذکر مطالب الفرقان حصہ اول میں تحسین و سپاس گذاری سے کیا ہے۔

بزم طلوع اسلام راولپنڈی کے نمائندگان کا تذکرہ چھوڑ کر قلم کسی اور طرف نکل گیا یہ ذکر درمیان میں ہی رہ گیا۔ اب پھر بات وہیں سے شروع کرتے ہیں یعنی بزم طلوع اسلام راولپنڈی کے نمائندگان سے۔ سردار نذیر احمد صاحب کے بعد عزیزم محمد اسلم صاحب نیو گارڈن کالج میں ایم۔ اے کے طالب علم تھے، کو نمائندہ بزم کے فرائض کی ادائیگی کیلئے چنا گیا۔ جو تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک نہ چل سکے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آج کل وہ محکمہ ڈاک میں کسی اعلیٰ عہدہ پر جہلم میں کام کر رہے ہیں۔ خدا معلوم ان کا وہ پہلے والا جذبہ اب بھی قائم ہے یا کہ نہیں۔ اسلم صاب کے بعد محترم عبدالخالق صاحب کے ذمہ نمائندگی کے فرائض سونپے گئے۔ موصوف مرکزی حکومت کے کسی محکمہ میں کسی ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے۔ موصوف نے چار پانچ برس تک بزم کی نمائندگی نہایت احسن طریقہ سے نبھائی۔ پھر انہیں اپنی معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے دفتری اوقات کے بعد ٹیوشن بھی کرنا پڑی تو بزم کی نمائندگی کے فرائض کی طرف وہ وہ توجہ مبذول نہ کر سکے جو وہ اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔ بزم نے ان کی اس مجبوری کے پیش نظر محترم چوہدری نثار احمد صاحب کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیا۔ محترم موصوف چوہدری سردار خان صاحب مرحوم کے فرزند ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چوہدری نثار احمد صاحب کی سربراہی میں بزم نے اپنی لائبریری کتب کا دوبارہ اجرا کیا جو بزم کے دفتر برمکان ملک فضل کریم صاحب ہوا۔ پرویزؒ صاحب کے دروس پر مبنی آڈیو۔ ویڈیو کیسٹ کی لائبریری کا قیام بھی عمل میں آیا۔ راقم کو انہوں نے بطور فنانس سیکرٹری نامزد کیا۔ افسوس کہ میں اس اہم ذمہ داری کا اپنے آپ کو اہل نہ ثابت کر سکا۔ چنانچہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ کے ذمہ یہ فریضہ عاید کیا گیا جو سیکرٹری بزم کی ذمہ داریوں کے علاوہ محولہ بالا ذمہ داری کو بھی بحسن و خوبی نبھا رہے ہیں۔ ملک فضل کریم صاحب کی نقل مکانی کی وجہ سے بزم بمعہ لائبریری چوہدری صاحب موصوف کی دکان کی بالائی منزل واقع ہائی ویز آٹوز گوالمنڈی منتقل ہو گئی۔ ملک فضل کریم کی زندگی نے وفا نہ کی۔ ان کا انتقال مارچ 1995ء میں ہو گیا۔ بزم ایک مخلص۔ ہمدرد۔ صاحب الرائے اور مخیر ساتھی سے محروم ہو گئی۔ "خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را" موجودہ نمائندہ چوہدری نثار احمد صاحب کی سربراہی میں بزم نے متعدد بار جشن نزول قرآن کی تقریبات مرحوم ملک فضل کریم صاحب کے ہاں منعقد کیں۔ گذشتہ برس جشن نزول قرآن کی پروقار تقریب میونسپل کارپوریشن کے جناح ہال میں منعقد ہوئی۔ ہال سے باہر بھی سامعین کا ہجوم تھا۔ ادارہ/ٹرسٹ طلوع اسلام لاہور کے احباب کے علاوہ دیگر بزموں کے احباب نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔ تقریب کی کامیابی محترم چوہدری آفتاب احمد صاحب کے حسن انتظام کی رہین منت تھی۔ دوسری عوامی تقریب سیٹلائٹ ٹاؤن کے شہنائی ہال میں جشن آزادی کے سلسلے میں 14 اگست 95ء کو منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں بھی لاہور سے ادارہ کے احباب کے علاوہ پشاور۔ ایبٹ آباد۔ واہ اور اسلام آباد کے احباب نے شرکت کی۔ شہنائی ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہ تقریب چوہدری محمد نعیم صاحب کی

کاوشوں سے کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ہر دو تقاریب میں حاضرین کی تواضع چاء اور مٹھائی سے کی گئی۔ آئندہ جشن نزول قرآن کی تقریب کیلئے پنڈی پریس کلب کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اگر وہ جگہ مل گئی تو انشاء اللہ وہاں تقریب کی مناسبت سے شایاں شان طریقہ سے انتظامات کئے جائیں گے۔

اراکین راولپنڈی بزم نے لائبریری اور درس کیلئے مقامی طور پر جگہ خرید کر اپنا گھر بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے لئے مقامی طور پر عطیہ جات کی فراہمی کی مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ آغاز تو اچھا ہے۔ انجام بھی انشاء اللہ اچھا ہو گا۔ بزم کے رکن امجد محمود صاحب کاروباری سلسلہ میں ناروے گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے وہاں کے احباب سے اس بارے میں رابطہ قائم کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی صاحب انفرادی طور پر یا بزم اس سلسلے میں بزم پنڈی سے تعاون کے متمنی ہوں تو بزم پنڈی اس تعاون کو خوش دلی سے خوش آمدید کہے گی۔

بزم کے پیش نظر ضرورت مند احباب کی مالی امداد کا پروگرام بھی ہے۔ جس پر حسب توفیق عمل ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات بعض خود غرض حضرات اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ دنوں کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آگیا۔ ایک نوجوان جو بزم کے امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بیکار تھے۔ بزم کے ایک صاحب دل رکن نے از خود اس نوجوان کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کی خطیر رقم سے ٹیکسی خرید دی۔ حالانکہ نہ اس نوجوان نے درخواست کی اور نہ ہی کسی دوسرے شخص نے اس بارے میں کسی قسم کی تحریک کی۔ انہوں نے ایک بیکار نوجوان کو گمراہی سے بچانے کیلئے اتنا بڑا اقدام کیا۔ جو قرآن کا تقاضا [illegible] لیکن---- لیکن اب آپ خود سمجھ [illegible] نوجوان نعمت کدہ کا محمد دین ثابت ہوا۔ اسی طرح [illegible] اور صاحب بزم سے متعارف ہوئے۔ ان کا طریق واردات کچھ اس طرح تھا کہ وہ بزم سے کتابیں اور کیسٹ ادھار لیتے رہے۔ کبھی کبھار اعتبار بنانے کے خاطر کچھ رقم بزم کے پاس جمع بھی کروا دیتے۔ [illegible] اچھی خاصی رقم کی کتابیں اور کیسٹ لیکر غائب ہو گئے خدا معلوم انہوں نے کتابوں اور کیسٹس کا کیا کیا۔

ممکن ہے کہ دیگر بزموں میں بھی کبھی کبھار ایسے "حادثات" ہو جاتے ہوں۔ قرآنی فکر کے احباب کو اس ضمن میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

بزم طلوع اسلام کے امور کیلئے ایک مجلس مشاورت قائم ہے جس کے باقاعدہ اجلاس ہر پندرہ روز کے بعد بدھ کی شام کو بزم کے دفتر میں ہوتے ہیں۔ چوہدری نثار احمد صاحب نے پرویزؒ صاحب کی کتب کے لئے بھی اچھی خاصی جگہ فراہم کی ہوئی ہے۔ کتابوں اور پرچہ طلوع اسلام پر بیس فیصد کمیشن بھی دیا جاتا ہے۔

جہاں تک میرے حافظے نے میرا ساتھ دیا ہے' میں نے بزم کی کہانی بے کم و کاست لکھنے کی کوشش کی ہے۔ کوشش کے باوجود یہ کافی طویل ہو گئی ہے۔ اس روئیداد میں اگر کوئی واقعہ درست نہ لکھا جا سکا ہو یا رہ گیا ہو تو اسے میرے سہو اور حافظے کی کمزوری پر محمول کریں اور مجھے اس سے مطلع کریں تاکہ میں اپنے حافظے کی غلطی کی اصلاح کر سکوں۔

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک حنیف وجدانی

تاریخی شعور

1- حضور نبی کریم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت 20 اپریل 571ء بمطابق 9 ربیع الاول 216 عربی جاہلی' 882 سکندری میں ہوئی- یہ ایک یتیم کی ولادت تھی- اور موہبت کبریائی نے اس کے لئے ختم نبوت کا تاج تیار کر رکھا تھا-

2- پہلی وحی :- حضور نبی کریمؐ پر پہلی وحی 6 اگست 610ء بمطابق 25 رمضان 256 عربی جاہلی' 921 سکندری میں ہوئی قمری حساب سے حضورؐ کی عمر شریف 40 سال 6 ماہ 16 دن جبکہ شمسی حساب سے 39 سال 3 ماہ 16 دن تھی-

یاد رہے کہ ایک قمری سال 354 دن 8 گھنٹے 48 منٹ کا ہوتا ہے- جبکہ شمسی سال 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 47 سیکنڈ کا ہوتا ہے- تلاش حقیقت سے نکل کر آنے والے ماہ و سال آسمانی انقلاب کے لئے وقف ہو گئے-

3- مسجد نبوی :- مسجد نبوی کا سنگ بنیاد 16 اکتوبر 622ء بمطابق 22 ربیع الاول 13ھ نبوت بروز جمعتہ المبارک حضورؐ نے خود رکھا- مسجد کا احاطہ 70x70 ذراع یعنی 105x105 فٹ تھا- 17ھ میں جناب فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں یہ رقبہ بڑھا کر 100x100 ذراع یعنی 150x150 فٹ کر دیا گیا- بعد میں بھی توسیع ہوتی رہی- اب شاہ فہد کی زیر نگرانی اہم توسیع کا کام جاری ہے- جس پر ۲۰۰ ارب ریال لاگت آئے گی- اور شاید آئندہ ایک ہزار سال تک مزید کچھ نہ کرنا پڑے- یہ دنیا کی سب سے بڑی اور مثالی مسجد ہو گی- مسجد مسلم تہذیب کی حرکیاتی زندگی اور انفرادیت کی پہچان ہوتی ہے-

4- 9 مئی 1857ء کو جنگ آزادی پنجاب میں 23 مئی سے سرحد تک بلکہ ہر جگہ شروع ہو گئی- مسلمان اس جنگ آزادی میں شکست کھا گئے-

1857ء سے 1862ء تک شاہی مسجد لاہور میں انگریزوں کے گھوڑے باندھے جاتے رہے-

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

5- 1861ء کو امریکہ میں ایک قانون کی منظوری سے غلامی کا خاتمہ کر دیا گیا-

6- دوسروں کو غلام بنانے والے برطانیہ نے 1883ء میں اپنے ملک سے غلامی کا خاتمہ کیا- اور ہم کو قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں 14 اگست 1947ء کو آزادی نصیب ہو سکی- جس کی قدر کرنا خدا جانے ہم کب تک سیکھ سکیں گے پھر کہیں مسلم اخوت و مساوات کا احیاء ہو گا-

:::

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیہال- رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عندالطلب
2- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیہال- رابطہ: مسز گل بہار	منگل	3 بجے
3- ایبٹ آباد	K/355 کینچ روڈ- رابطہ: غلام مصطفیٰ اعوان	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
4- بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر- مرضی پورہ گلی نمبر5- رابطہ فون:2438	پہلا اور تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
5- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ- کابلی بازار- رابطہ: 840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
6- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
7- پیر محل	مکان نمبر 140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
8- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے سہ پہر
9- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد' جی- ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
10- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
11- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر بھٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
12- چک 215 ای- بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
13- حیدر آباد	گولڈن سینٹری' عثمان آباد	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
14- حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
15- ڈی- جی خان	بلاک G- کچہری روڈ' رابطہ انیس الرحمان فون: 61519	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
16- رجانہ	برمکان چوہدری الیس- ایم صادق' مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
17- راولپنڈی	بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	3.30 بجے شام
18- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ- رابطہ فون: 720083	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
19- سیالکوٹ	محمد افضل خلجی' ایبٹ روڈ- رابطہ فون: 263252	پہلا اور دوسرا جمعہ	8 بجے صبح
20- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک- فون: 720096	ہر جمعۃ المبارک	3.30 بجے دوپہر
21- کراچی	چمن زاہد 19- بی بلاک 13- ڈی گلشن اقبال مقابل اردو سائنس کالج رابطہ خالد گل فون: 539798	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
22- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ' 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور' فون: 312631	جمعۃ المبارک	11-30 بجے صبح
23- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
24- کراچی	بر مکان محمد یونس 1206- گلی 10- لے' 36-G' شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ: فون: 312631	اتوار	8 بجے شب
25- کوہاٹ	بر مکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
26- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ	جمعۃ المبارک	4 بجے سہپر
27- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
28- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
29- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
30- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
31- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
32- ماموں کانجن	بر مکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
33- اوکاڑہ	بر مکان میاں محمد سعید مکان 116 گلی 6 سیٹھ کالونی نمبر 2 رابطہ فون: 3660	ہر جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
34- واہ کینٹ	بر مکان محمد داؤد' کوارٹر نمبر 19E/119	بدھ	بعد نماز عصر
35- رانی پور	اوطان ڈاکٹر سلیم سومرو سومرو محلہ رابطہ شفیع محمد سومرو	جمعۃ المبارک	بعد نماز عشاء

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔
تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔
جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

قائداعظم، علامہ اقبال اور نظریہ پاکستان پر تنقید "فیشن" بن گیا ہے

اب اسلامی نظام کا شور مچانے والے "ملا" اس کے قیام کے حامی نہیں تھے، ضیاء کا ریفرنڈم مذاق تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باغبان حضرات کے نام (کھلا خط)

السلام علیکم -- جناب والا ! فروری اور اکتوبر 95ء کے طلوع اسلام میں قواعد و ضوابط اور فہرست پودہ جات برائے رکنیت کی اشاعت سے باغبان ایسوسی ایشن کی آواز ملک گیر ہو گئی ہے- دادو سندھ کے علی مردان' جتوئی کے احمد علی جتوئی صاحب نے انار کی کاشت کا معجزہ سنایا- چوک اعظم لیہ کے محمد منیر عاطف صاحب نے تھل میں پودہ جات کی کاشت پر راہنمائی چاہی ہے- گورنمنٹ کالج لاہور سال سوم کے طالب علم اعجاز احمد صاحب اور ملتان شاہ رکن عالم کے محمد عدنان اشرف صاحب ممبرشپ کے تمنائی ہیں- جبکہ سول لائنز گجرات کے احسان اللہ صاحب ایڈووکیٹ اور صبینہ یاسمین صاحبہ دختر محبوب حسین نیر ٹی سیداں سوہاوہ جہلم رکنیت حاصل کر چکے ہیں- صبینہ یاسمین صاحبہ اور عنیقہ بانو صاحبہ ہمشیرگان اپنے مشترکہ خط میں لکھتی ہیں-

"امریکہ کے خلائی تحقیقاتی ادارے "ناسا" کے توسط سے معلوم ہوا ہے کہ ایک مرکزی ادارہ کے ایک خلائی سٹیشن کو Wood Pecker (چڑی ترکھان) پرندے نے بری طرح نوچ ڈالا- اور نقصان پہنچایا تو اس پرندے سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے الو (Owl) کے Statue بنا کر اس جگہ لٹکا دیئے- الو کے Statue سے یہ پرندہ ڈر گیا- اور ان کی جان چھوٹی- یہ سب کاروائی ہم نے TV پر عالمی خبروں میں دیکھی ہے- لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ الو (Owl) کا ہو بہو مجسمہ Statue بنانے کے لئے کسی مجسمہ ساز/بت تراش کی خدمات کی ضرورت ہے' جو کپڑے' پلاسٹک' لکڑی' مٹی یا کسی بھی مٹیریل سے الو کا ہو بہو مجسمہ بنا سکے- ہماری باغبانی کو جو طوطے کا مسئلہ درپیش ہے اس کا یہ ایک آزمودہ اور یقینی حل ہے- بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ The Only Salution ہے- یہ تجربہ کیا جائے اگر کامیاب ہو تو پھر اس کی ملک گیر سطح پر تشہیر کی جائے تاکہ بہتوں کا فائدہ ہو"-

توقعات اور تاثرات آپ نے پڑھے- ان کی روشنی میں- میں تمام باغبان حضرات- قارئین طلوع اسلام اور زرعی اداروں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس بارے میں دلی تعاون کرتے ہوئے مجسمہ سازوں سے رابطہ کر کے الو کا مجسمہ (Statue) مارکیٹ میں لانے کی کوششوں میں ہمارا ہاتھ بٹائیں تاکہ طوطے اور چمگادڑ کے نقصان پر اس کو آزمایا جا سکے-

(نوٹ :- الو کے مجسمہ کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؒ کے "شاہین" کا مجسمہ بھی آزما کر دیکھ لیا جائے- شاید یہ بھی مؤثر ثابت ہو)

والسلام

ملک حنیف وجدانی

صدر باغبان ایسوسی ایشن

معرفت موہڑہ سیداں مری

P.C. No. 47224

BOOK REVIEW

Name of Book	**The Holy Quran and Our Daily Life**
Author	Dr. Mir Mustafa Husain *B.Sc.(Ag),B.Ed.,M.Sc.(Ag), Ph.D.(Kansas-IARI)*
Publisher :	The Quranic Education Society 10-3-273/7, Humayun Nagar, Hyderabad 500 028. INDIA. Phone : 221444
Price :	Rs 60.00 or $ 5

The work, ***The Holy Quran and Our Daily Life***, is an attempt to present the teachings of the holy Quran in simple and easily understandable English language. Holy Quran, the last Divine message, was revealed in Arabic language by Allah, the Almighty, on Prophet Mohammed (S), the last prophet in the series of the apostles some fourteen hundred years ago at Makkah and Medina (Arabia). The Divine message embodied in the Quran is miraculously preserved in its original form since Allah Himself has taken the responsibility of its preservation.

The Quran has enshrined the permanent Divine guidance which is not bound by time, place, and ever-changing situations. The Quranic message is in reality comprehensive, complete, easily understandable, and practically adoptable. It is infact, final code of life for the entire humanity. The Book claims that it will bring perfection to personality, prosperity to mankind, and real welfare to the world. All this is possible provided the message is adopted sincerely, honestly and completely in our daily life. And adoption of Quranic guidance is possible when the message is understood correctly.

The present work -- The Holy quran and Our Daily Life- would enable its readers, particularly the English knowing educated youth, to have a fair idea about the message of the holy Quran and its guidance for the entire humanity. The focus is on the teachings of the holy Book in a precise manner. The contents are spread over 150 pages which have fourteen chapters viz. 1. Quran 2. The Concept of Allah 3. Prophet Mohammed (S) 4. Islam 5. Ibadaat (prayers) 6. Moral and social Behaviour 7. Human Relationship 8. Family Life 9. Human Rights 10. Woman 11. Justice and Equality 12. Economic Matters 13. Islamic State 14. Miscellaneous.

Foreword for this book is written by Mr. Syed Hashim Ali, I.A.S. (Retd.), Former vice-chancellor of Osmania University and Aligarh Muslim University, and Principal Secretary to Govt. of Andhra Pradesh. Bibliography include 13 books of Allama G.A. Parwez and one book of Maulana Aslam Jairajpuri.

A BOOK WORTH BUYING

THIS IS MARCH 1996!

By

Miss Shamim Anwar

This is the year 1996! What's so peculiar about it? The reader might query. Well, it could be that we are hosting the World Cup and what is more, defending our title as well. So far so good. We wish our Boys greater glories and greater victories.

However, I am thinking of 1996 in which year Pakistan is coming very close to half a century of its independence; to be exact, it will he 49 years this August. Also, it is 56 years this month in March since the Lahore Resolution was passed. As a ritual we will make all the required noises and gestures and then sleep over its sterile results for another year, although the next year cannot be ignored so easily. We are going to complete 50 years. So preparations are already afoot. No doubt it will be a ritual on a grand scale, but a ritual nevertheless.

What are we ritualising? Is it running away from the Hindu majority, from their intolerance and fanaticism, from their hatred and vendetta, for didn't we rule over them for a thousand years? Now it was their turn, you see. If Pakistanis are run-away people, running away from the rise of Hindu Nationalism in fear and insecurity, then we have indeed laid very negative foundations of our present and our future. Negativism is self-defeating, and is it any wonder that we have regressed in time (lost in sheer emotionalism) and space (lost to Bangladesh)?

Nay, Pakistan was not the result of negativism, although Hindu fundamentalism and vendetta is a fact of history. Pakistan Movement, embedded in Iqbal's Allahabad Address of 1930 and the Lahore Resolution of 1940, was a very positive and a unique movement of the twentieth century, perhaps the first of its kind since the period of the

Khulfa-e-Rashidin. As such its roots lie in thousands of years of human experience of the Divine Message revealed to the Ambiya, but at this moment in history its fruits lie in centuries ahead.

Pakistan Movement, to begin with, was a tremendous challenge to territorial, racial and lingual nationalism. It rejected the nation-State as in-human. Its vision was that of universalism; it envisioned the human race as one human family inhabiting the planet Earth as its one single home-land. Eric Fromm in his ``The Sane Society" has psychologically analysed the birth of Man as passive and accidental. Thus his ties to the soil and blood is an existence on the animal level. Man is fully born only after freeing himself from these ties. This was the Quranic dream of Iqbal--The re-creation of Man into his human identity, which has been destroyed by the nation-State based on soil and blood.

At the same time, Iqbal's relentless battle against the status quo be it monarchy, feudalism, capitalism, communism, slavery--- need a role-model. For a role-model, independent territory and authority is a pre-requisite; for that matter, for any system these conditions are necessary. This was the rationale behind the demand for Pakistan. Commentators get confused when they confront Iqbal's universalism together with his demand for a separate state. They look upon it as a contradiction. In the first place, territory is a means to an end,not an end in itself, like a nation-state is. Secondly, the Quran does not impose its system on an unwilling populace. It presents an example for others to emulate, but never casts even a shadow on the free will and choice of the humans. This is the philosophy behind the Quranic concept of ``Hijrat",to move to a territory (if the home territory does not welcome the revolution) where the new system could be implemented. This is why Abraham, Moses, Jesus and Muhammad left their native land. A human can move on to any place in his earthly home. (There were specific reasons why the territory

Palestan" was chosen for an experiment, but for the time being I leave this to be referred to on some other occasion.)

Furthermore, Iqbal's vision, through the Quranic Concepts, saw into the future decades ahead. In the clash between capitalism and communism, Iqbal foresaw the collapse of communism because of certain lacunas in it basic philosophy. Capitalism with all its ruthlessness and avarice would then be without constraints and hence devastating for humanity. Above all, capitalism is a self-perpetuating system based on profit motivations and selfishness. When the inevitable happens (and collapse of USSR has taken place) Iqbal hoped that there would be an alternative to capitalism in the Pakistan's experiment as another option. Today one can appreciate this foresight because the world is faced with a destructive uni-polar power, already described as ``The End of History'' as far as new options and ideas are concerned.

Talking of destruction, the Quran likes to see a group of people, who unlike other groups, who at best only work and serve their own interests, safeguard and protect humanity. The only justification for this group to exist is that it lives and dies for humanity, using its power and technology for its benefit. That is how Iqbal saw Pakistan's global role.

I feel very intensely that unless the intellectuals of Pakistan research and highlight these positive aspects of Pakistan Movement, its progress and development will ever remain marred by negativism and its resultant lack of commitment both at leadership and mass level.

HAS THE SUBSCRIPTION BEEN PAID?
PLEASE CHECK UP

DARS-E-QURAN (ABROAD)

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)

BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** 716 The West Mall,Suit 1804 Etobicoke, ONT (416) 620-4471	First Sun 11AM
2.	**DENMARK** Herninggade 8,st th., 2100 Copenhagen 0	Last Sat' 2 PM
3.	**Kuwait** Flat No. 6, Floor No. 3 Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque, Hawally, Kuwait	Friday 5.PM
4.	**NORWAY** Akeberg Veien-56, Oslo-6 Galgeberg, 4th floor	1st Sun 4.PM
	Trosvik Snippen.3 1610. Fredrikstad	Sunday 12.PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
	(i) Birmingham 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
	(ii) London 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
	(iii) Yardley 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
	(iv) Essex 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
	(v) Yorkshire Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
	Dars-e-Quran Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM